20

سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

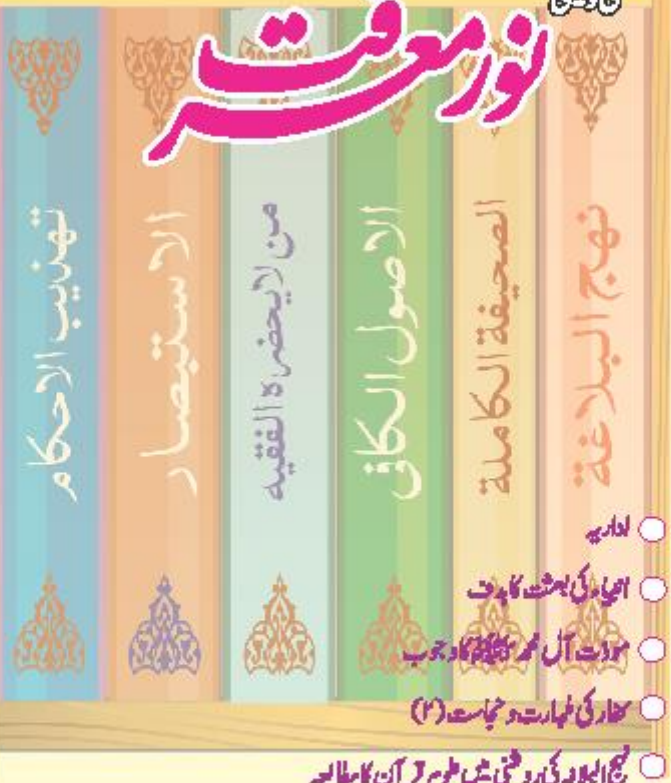

- اداریہ
- انبیاء کی بعثت کا ہدف
- مودت آل محمد ﷺ کا وجوب
- کفار کی طہارت و نجاست (۲)
- نہج البلاغہ کی روشنی میں علوم قرآن کا مطالعہ
- علمی مذاکرہ: دینی مدارس اور عصری تقاضے
- مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ (۲)
- گفتگو: عالم اسلام کی مشکلات اور علمائے دین کی ذمہ داریاں
- The Abstracts

بسم الله الرحمن الرحيم

اہم گذارشات

- مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر مجلہ کے نام ارسال کریں۔
- بہتر ہے مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس / پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر مجلہ کو ای۔ میل کی جائے۔
- ممکن ہے ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات ارسال کرے۔ اس صورت میں دیے گئے موضوعات پر تحقیقات ارسال کی جائیں۔
- حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ اختیار کیے جائیں اور درج ذیل تفصیل کے ساتھ مضمون کے آخر میں لگائے جائیں:

کتاب کا نام: ۔۔۔۔۔۔۔۔ مصنف کا نام: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مطبع: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سن طباعت: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جلد نمبر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صفحہ نمبر: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

- مجلہ نور معرفت میں: علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تربیت، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔
- مجلہ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر مجلہ کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

سہ ماہی
علمی و تحقیقی

نور معرفت

Declaration No. 7334
ISSN 2221-1650

مدیر اعلیٰ
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید مطہرالحسن رضوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- ڈاکٹر سید ناصر عباس
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر لبنیٰ علی الہی
- سید اکبر علی تقوی
- سید علی مرتضیٰ زیدی

کمپوزنگ: طاہر عباس
پرنٹرز: پنجاب پرنٹرز اسلام آباد

قیمت فی شمارہ 130 روپے
زرسالانہ 500 روپے
زرسالانہ 150 ڈالر امریکہ کینیڈا یورپ
زرسالانہ 070 ڈالر خلیجی ممالک

ناشر: (نور الہدیٰ مرکز تحقیقات)
نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی بہارہ کہو اسلام آباد
051-2231837 www.nmt.org.pk
E-mail: [illegible]

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
1	اداریہ	مدیر	
2	گفتنی ہا؛ عالم اسلام کی مشکلات اور علمائے دین کی ذمہ داریاں	مدیر	
3	علمی مذاکرہ؛ دینی مدارس اور عصری تقاضے	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	
4	مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ (۲)	تقی صادقی	
5	نہج البلاغہ کی روشنی میں علوم قرآن کا مطالعہ	روشن علی	
6	مودّت آل محمدؐ کا وجوب	سید رمیز الحسن موسوی	
7	انبیاء کی بعثت کا ہدف	ثاقب اکبر	
8	کفار کی طہارت و نجاست (۲)	سید مزمل حسین نقوی	
9	The Abstracts	محمد حنیف ڈان	

* * * * *

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''نورِ معرفت'' ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ اور طلاب کا اپنا جریدہ ہے۔ لہٰذا اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء مددگار ثابت ہوں گی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ آپ کی تحقیقی اور علمی تحریروں کا استقبال کیا جائے گا۔ تمام تحریریں، فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہییں۔

مدیر

سہ ماہی مجلّہ ''نورِ معرفت''

''نمت'' ایک نظر میں

''نمت'' (نور الہدی مرکز تحقیقات) نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو علماء اور دانشوروں کی ایک پانچ رکنی علمی کمیٹی کی نگرانی میں فعالیت کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کی ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ لہٰذا دینی بصیرت و آگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور بیدار کرنے والی کتب کی تألیف، ترجمہ اور اشاعت اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کیلئے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ ''نور معرفت'' کی اشاعت، ''نَمت'' کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

''نَمت'' اپنی فعالیت کے تقریبا پانچ سالوں میں قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ حیات فاطمہ، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ، سول سوسائٹی، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباؤ، معجزہ کیا ہے اور پیام قرآن کی آخری تین جلدوں کا ترجمہ اس ادارے کی اب تک کی عمدہ مطبوعات ہیں۔

اس کے علاوہ سہ ماہی ''نور معرفت'' کی چار سال سے مسلسل اشاعت بھی ''نَمت'' کا ایک عمدہ کارنامہ ہے۔

''نَمت'' قرآن و حدیث، فلسفہ و کلام، اخلاق و عرفان اور دیگر متنوع موضوعات پر مکتب اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں اردو زبان میں بہتر سے بہتر لٹریچر پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے اور اسے اس نیک کام میں ملت مسلمہ کے عوام و خواص کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اداریہ

ان شاء اللہ ماہ رمضان میں ہی " نور معرفت " کا بیسواں شمارہ قارئین تک پہنچ جائے گا۔ یہ شمارہ ایسے حال میں شائع ہو رہا ہے جبکہ ملک میں نئ جمہوری حکومت، ملکی انتظامات اپنے ہاتھ میں لے چکی ہے۔ لیکن تقریباً ملک کے ایک بڑے حصے (مرکز اور پنجاب) پر حکمرانی کا خواب پورا ہونے کے باوجود ملک کی اہم مشکلات میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ کراچی اور کوئٹہ کے علاوہ خیبر پختون خواہ میں بھی دہشت گردوں کا اسی طرح دور دورا ہے جس طرح پہلے تھا۔ اسی طرح پاکستان کی مظلوم قوم کا ایک بڑا مسئلہ بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ تھا۔ جس کی وجہ سے ملکی اقتصادی ترقی رکی ہونے کے ساتھ ساتھ غریب عوام کی دن رات کی نیندیں حرام تھیں۔

نئ جمہوری حکومت کی آمد کے ساتھ عوام کی اکثریت پراُمید تھی کہ اُسے یہ موسم گرما سکون سے گزارنے کا موقع ملے گا، لیکن تاحال اس عذاب سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ دوسری جانب مہنگائی اور ضرورت کی بنیادی چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ بھی مسلم لیگی حکومت کا ایک بڑا تحفہ سمجھا جارہا ہے۔ ماہ مبارک کی آمد آمد ہے، جس کے ساتھ مسلمان عوام پر مزید مہنگائی کا خوف بھی طاری ہوتا جارہا ہے۔ ہم نئ حکومت سے اُمید کریں گے کہ کم از کم وہ ماہ مبارک میں پاکستان کے مظلوم عوام کو سکون واطمینان کے ساتھ عبادات انجام دینے کا موقع فراہم کرے اور اس مبارک مہینے میں بجلی کی لوڈشیڈنگ اور مہنگائی کے عذاب سے نجات دلائے۔

نور معرفت کا یہ شمارہ بھی اپنے دامن میں چند علمی موتی لے کر قارئین کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ جن میں "گفتنی ہا" کے عنوان سے عالم اسلام کی مشکلات اور علمائے دین کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی طرح عالم اسلام کے عظیم لیڈر اور اسلامی حکومت کے داعی حضرت امام خمینیؒ کی برسی کی مناسبت سے ماہ مبارک کے بارے میں حضرت امامؒ کے بیانات سے کچھ اقتباسات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ " انبیاء کی بعثت کا ہدف " کے عنوان سے ایک جاندار تحقیقی مقالہ بھی اس شمارے کی زینت بنا ہے۔ اسی طرح "مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ "اور "کفار کی طہارت ونجاست " کا تسلسل بھی اس شمارے میں موجود ہے۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی مودّت کے وجوب پر ایک قرآنی استدلال پر مبنی مقالہ بھی

محبان اہل بیتؑ کی نذر کیا جارہا ہے۔ نہج البلاغہ کے بارے میں تحقیقی سلسلے کے طور پر "نہج البلاغہ کی روشنی میں علوم قرآن کا ایک مطالعہ" بھی اس شمارے میں شامل ہے جو یقینا کلام امیر المؤمنینؑ کے شائقین کے لئے بہترین تحفہ ہوگا۔ ہمیشہ کی طرح مجلّہ کے مواد کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کی زحمت برادر طاہر عباس نے اٹھائی ہے۔ ادارہ ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ نیز اس شمارے میں بھی اُردو خلاصہ جات کا انگلش ترجمہ محترم جناب محمد حنیف ڈان صاحب نے کیا ہے۔ اس سعی جمیلہ پر ادارہ اُن کا بھی شکر گزار ہے۔

تعزیت وتسلیت

ارض وطن پر ایک عرصہ دراز سے اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں مؤمنین کی شہادتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ ماہ پشاور کے مدرسہ شہید عارف الحسینیؒ میں نماز جمعہ کے اجتماع میں ایک خود کش دھماکے میں 17 مومنین شہید ہوئے۔ باوضو اور باغسل ہو کر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہونے کے لیے ان مؤمنین میں سے جنہیں لقائے حق کی سعادت بھی نصیب ہوئی، قائد شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ کے گیارہ سالہ پوتے سید مہدی حسینی بھی شامل تھے۔ چونکہ یہ معصوم خود کش دہشت گرد کی کاروائی کی جگہ کے بہت نزدیک تھا لہٰذا ان کا جسد مبارک پوری طرح گھائل ہو گیا۔ یوں یہ مدرسہ قائد شہیدؒ کی مقتل گاہ کے علاوہ اُن کے معصوم پوتے کی بھی مقتل گاہ بن گیا۔

ہم ان عظیم سانحات پر تمام شہدائے ملت کے لواحقین کی خدمت میں تسلیت وتعزیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قائد شہید کے خاندان، خصوصاً اُن کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام آغا سید علی حسینی جو خود بھی ایک دہشت گردانہ حملے میں جانبازی کے بلند درجے پر فائز ہو چکے ہیں، کی خدمت میں تعزیت وتسلیت پیش کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام شہداء کی بلندی درجات کی دعا کے ساتھ ساتھ قائد شہید کے خانوادے خصوصاً سید مہدی حسینی شہید کی والدہ محترمہ اور قائد شہید کی زوجہ معظّمہ کی لئے صبر و استقامت کی دعا کرتے ہیں کہ جنہوں نے ایک بار پھر دین اسلام کے راستے میں ایک قیمتی نذرانہ پیش کیا۔ پروردگارا! ان معصوم قربانیوں کے وسیلے سے دین اسلام کو ترقی و عروج عطا فرما۔

شریک غم: اراکین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد

گفتنی ھا

سید رمیز الحسن موسوی*
srhm2000@yahoo.com

رمضان المبارک، ضیافت الٰہی کا مہینہ

دین اسلام معنویت اور مادیت کا وہ عظیم مجموعہ ہے جو انسان کی مادیت کو بھی پورا کرتا ہے اور اس کی معنویت اور روحانیت کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ اسلام نے اپنی معنویت کو جہاں اپنی تعلیمات کی صورت میں پیش کیا ہے وہاں اسے زمان و مکان کے ساتھ مختص کرکے انسانوں کو زمان و مکان کے لحاظ سے بھی اپنی معنوی ضروریات کو پورا کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ تعلیمات کی شکل میں اسلام کا معنوی ذخیرہ قرآن کریم ہے اور سیرت رسولؐ ہے اور زمانے کے لحاظ سے انسانوں کی معنویت کی تکمیل ماہ مبارک رمضان میں ہوتی ہے۔

اس دور کے عظیم عارف اور حکومت اسلامی کے بانی حضرت امام خمینی علیہ الرحمہ نے ان دونوں معنوی وسیلوں کو بہت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے اور اس بارے میں پوری اُمت کو تاکید فرمائی ہے۔ ماہ جون میں حضرت امام خمینیؒ کی پچیسویں برسی منائی گئی ہے۔ گو کہ حضرت امامؒ آج ہمارے درمیان نہیں، لیکن اُن کے نورانی بیانات اور نصیحتیں ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں اسی مناسبت سے "نور معرفت" کے قارئین کی خدمت میں امامؒ کے بیانات اور قلم سے ماخوذ چند تعلیمات کو یہاں پیش کیا گیا ہے۔ جو ماہ مبارک کی مناسب سے قارئین کے لئے بہترین تحفہ ہے؛ وہ ماہ مبارک کی جو امام سجاد علیہ السلام کی زبان میں: " رمضان کا مہینہ، صیام کا مہینہ، اسلام کا مہینہ، پاکیزگی کا مہینہ، تصفیہ و تطہیر کا مہینہ، عبادت و قیام کا مہینہ وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ جو لوگوں کے لئے رہنما ہے۔ ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

روشن صداقتیں رکھتا ہے"۔ امام خمینیؒ نے ماہ مبارک کو ضیافت الٰہی کا مہینہ قرار دیا ہے۔ اسی مناسبت سے قرآن اور ماہ رمضان کے بارے میں امام خمینیؒ کے بیانات سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

" حضرت ختمی مرتبتؐ سے منقول اس قول: { دُعِیتُمْ اِلیٰ ضِیافَۃِ اللہِ } (تم لوگوں کو مہمانی خدا کی جانب دعوت دی گئی ہے) کے مطابق یہ ضیافت (خدا کی دعوت) کیا ہے، کس نے اس ضیافت کو قبول کیا ہے، اس خدا کی ضیافت۔ زیارت کے حصول کے کیا مقدمات ہیں اور خود اس ضیافت کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ وہ تمام مطالب ہیں کہ جن کی حقیقت ہم پر پوشیدہ ہے۔ آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ رسول اکرمؐ کے علاوہ کسی نے بھی اس ضیافت و مہمانی کو کہ جس کا میزبان خدا ہے، اس طرح قبول نہیں کیا جس طرح آنحضرتؐ نے کیا تھا! دعوت کے مراتب ہوتے ہیں اسی طرح دعوت قبول کرنے کے بھی درجات ہیں۔ دعوت قبول کرنے کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ مقدمات کو طے کرنے اور ریاضتوں کی زحمتوں کو برداشت کرنے کے بعد جس طرح رسول اکرمؐ نے ریاضتیں کیں، یہ منزل آئی کی اللہ تعالیٰ نے حضرت ختمی مرتبتؐ کو نزول قرآن کی ضیافت و دعوت پر مدعو کیا۔

قرآن ذات احدیث کے دستر خوان کی وہ نعمت ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کی ضیافت کیلئے بچھایا ہے۔ نعمت الٰہی کا یہ دستر خوان ازل سے ابد تک بچھا ہوا ہے اور خود پیغمبر اکرمؐ نے اس دستر خوان سے کسب فیض کیا۔ ان مقدمات کے حصول کیلئے رسول اکرمؐ نے سالہا طولانی اور معنوی ریاضتوں کی سختیوں کو تحمل کیا ہے یہاں تک کہ آپؐ کو اس ضیافت و مہمانی کی دعوت ملی۔ اس ضیافت و دعوت کے سب سے بنیادی پہلو کی حقیقت اس مادی دنیا سے اپنی تمام توجہات اور قلبی اشتیاق کو بالکل ہٹا لینے میں مضمر ہے۔ وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ضیافت کی طرف راہنمائی کرتی ہے یہ ہے کہ وہ خدا کے علاوہ تمام موجودات سے اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو منقطع کرلے لیکن اس درجے کا حصول ہر ایک کیلئے آسان نہیں۔ یہ درجہ صرف انگلیوں پر شمار کیے جانے والے اشخاص کو ہی حاصل ہوا ہے کہ جن میں سر فہرست خود رسول اکرمؐ کی ذات گرامی ہے۔ سر چشمۂ نور کی جانب ان کے قلب مبارک کی توجہات اور خداوند قدوس کے علاوہ دیگر تمام مخلوقات سے ان کے الگ ہونے اور اپنی امیدوں کو منقطع کرنے ہی نے انہیں ضیافت الٰہی تک پہنچایا اور وہ اس منزل پر فائز ہوئے کہ قرآن ایک مرتبہ بسیط، اجمالی اور سادی شکل میں ان کے قلب پر نازل ہو۔ شب قدر کے بارے میں مختلف اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ شب قدر خود رسول اکرمؐ

کے جلوؤں میں سے ایک جلوہ ہے کہ جس میں نور الٰہی جگمگا رہا ہے۔ اس بارے میں اور بھی اقوال موجود ہیں، لیکن سب سے اہم اس بات کو سمجھنا ہے کہ ضیافت الٰہی میں داخل ہونے کیلئے انسانی کمالات کے مراتب بہت زیادہ ہیں۔

اس کیلئے مقدمات (ابتدائی منزلوں) سے ہی سفر کا آغاز کرنا چاہیے۔ مقدمات بھی وہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کسی کی طرف متوجہ ہونا، نہ کسی کو مؤثر جاننا اور اس کے علاوہ دیگر تمام موجودات سے اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو توڑ کر صرف اسی سے لو لگانا۔ یہاں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ اس منزل و مرتبے کا حصول تمام انسانوں سے مطلوب ہے اور اگر لوگوں کی خواہش ہے کہ اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق اس ضیافت الٰہی میں داخل ہوں تو انہیں چاہیے کہ دنیا ومافیہا سے اپنی توجہ کو ہٹالیں اور اپنے دل کی امیدوں اور آرزوؤں کے رشتوں کو دنیا سے منقطع کرکے اپنے دل کو صرف اللہ تعالی ہی کی طرف متوجہ کریں"۔ (صحیفہ امام، ج۱۷، ص۴۹۰، ۴۹۱)

ایک اور موقع پر حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ماہ مبارک رمضان میں نازل کیا ہے۔ قرآن کریم نورانی پردوں کو عبور کرکے ماہ مبارک رمضان میں ختمی مرتبتؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔ پھر آنحضرتؐ کے قلب مبارک سے دوبارہ اس درجے تک پہنچا کہ زبان سے بیان کیا جائے۔ اسی لیے نزول قرآن کی کیفیت بذات خود ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ اسی طرح وحی الٰہی اور اسے لانے والے مامور فرشتے سے قرآن کو حاصل کرنا بھی نہایت اہم بحث ہے کہ ہم ان تمام حقائق کے فہم سے عاجز و قاصر ہیں لیکن اپنے بارے میں ہمیں جس چیز کا علم ہے وہ یہ ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دعوت میں اس کے اچھے اور نیک مہمان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مہمان اگر رسول خداؐ اور ائمہ اہل بیتؑ جیسے افراد ہوں تو ہم اپنے بارے میں کیا کہیں اور وہ عظیم میزبان ان لوگوں کی جیسی دعوت کرتا ہے ہم اس کی لذت و شیرینی کے ادراک سے بھی عاجز ہیں"۔ (صحیفہ امام، ج۱۸، ص۴۹۸،)

ماہ رمضان المبارک کی برکت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ماہ رمضان اس لیے مبارک و مسعود ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کا نزول ہوا ہے یا بعبارت دیگر یہ حضرت ختمی مرتبتؐ کی معنویت و روحانیت ہے کہ جس کی وجہ سے وحی نازل ہوئی ہے اور ماہ شعبان اس لیے معظم (باعظمت) ہے کہ یہ مہینہ ماہ رمضان کی معنویت کا ہی تسلسل ہے۔ (صحیفہ امام، ج۲۰، ص۲۴۸)

عالم اسلام کی مشکلات اور علمائے دین کی ذمہ داریاں

اس وقت عالم اسلام جن مشکلات میں گرفتار ہے، ان سے کوئی بھی باشعور مسلمان بے خبر نہیں ہے۔ پوری دنیا میں اسلامی ممالک انواع و اقسام کی مشکلات کا شکار ہیں، کہیں نسلی اور لسانی جھگڑے اسلامی معاشروں کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں تو کہیں تفرقہ و اختلاف کی آگ میں مسلمانوں کی اکثریت جل رہی ہے۔ لیکن حالیہ عشروں کے دوران جس مشکل نے سب سے زیادہ اسلامی معاشروں کی بنیادوں کو کمزور اور مسلمین کے حوصلوں کو پست کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے وہ مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کے ذریعے تکفیری حملے ہیں۔

ایک عرصے سے اسلامی ممالک میں تفرقہ اور اختلاف کو دوام بخشنے کے لئے ایک نادان اور اغیار کے آلہ کار گروہ کے ذریعے مسلمانوں کی اکثریت کو کافر ثابت کرنے کی مہم شدت کے ساتھ جاری ہے۔ اس مہم کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کے درمیان دہشت گردی اور قتل و غارت کا جواز فراہم کرنا ہے۔ اس طرح اپنے افکار و عقائد سے ہم آہنگ نہ ہونے والوں کی طرف کفر و شرک کی نسبت دیکر انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کی سعی کرنا ہے۔ اپنے مخالفین کو اس طریقے سے اپنے راستے سے ہٹانا اسلامی تعلیمات کے مخالف ہونے کے علاوہ عالمی سیاست کے اصولوں کے بھی خلاف ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اخلاقی مکتب تائید کرتا ہے۔

البتہ یہ بات تمام باشعور مسلمانوں پر روشن ہے کہ اس قسم کی ظالمانہ مہم کے پیچھے عالمی سامراجی قوتوں کے ہاتھ بہت واضح ہیں جو اپنے مفادات کی خاطر پوری دنیائے اسلام کو اس قسم کی دلدل میں دھکیل چکی ہیں۔ اس حوالے سے عالمی میڈیا پر جو رپورٹیں اور خبریں نشر ہو رہی ہیں وہ انتہائی خوفناک ہیں۔ پھر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس مہم میں بعض نام نہاد اسلامی حکومتیں اور ریاستیں بھی کھل کر عالمی سامراجی قوتوں کا ساتھ دے رہی ہیں اور اسلام کے نام پر عالمی کفر کی حمایت کرتے ہوئے مسلمان معاشروں کی بنیادیں کمزور کر رہی ہیں۔

اس سلسلے میں مصر، بحرین، شام، سعودی عرب، لبنان اور خود پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُمت مسلمہ کو مایوس اور نااُمید کرنے کے لئے کافی ہے۔ شام میں دو سال سے دہشت گردی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور عالمی میڈیا کے مطابق اس میں اسرائیل اور امریکہ کے علاوہ قطر، سعودی عرب، ترکی کی حکومتیں واضح طور پر ملوث ہیں۔

شام میں اصحاب رسولؐ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مزارات کی بے حرمتی اور شامی باشندوں کے جگر تک نکال کر چبائے جانے کے ہولناک واقعات حالات کی سنگینی کا واضح ثبوت ہیں۔ اسی طرح بحرین میں گزشتہ دو سالوں سے سعودی حکومت کی مدد سے آل خلیفہ حکومت کے عوام پر مظالم بھی پوری دنیا کے اخبارات کی سرخیوں کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔

بحرین کے مختلف علاقوں سے اخباری نمائندوں کی رپورٹ ہے کہ آل خلیفہ حکومت کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ تا حال پورے زور و شور سے جاری ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق مختلف علاقوں میں عوام کے پر امن مظاہروں پر آل خلیفہ حکومت کے سیکورٹی اہلکاروں اور غیر ملکی فوجیوں نے حملہ کیا اور تشدد کے ذریعے مظاہروں کو روکنے کی کوشش کی۔ اس رپورٹ کے مطابق منامہ کے مشرق میں واقع علاقے المحرق میں مظاہروں میں ہزاروں لوگوں نے حصہ لیا۔ مظاہرین کے ہاتھوں میں ملک کے قومی پرچم کے علاوہ شہیدان انقلاب کی تصاویر بھی تھیں۔

مظاہرین نے اپنے ملک سے تمام غیر ملکی فوجیوں بالخصوص سعودی افواج کی فوری واپسی، شاہی حکومت کے خاتمے اور جمہوریت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ مظاہرین سے مختلف انقلابی رہنماؤں منجملہ جمیعت وفاق اسلامی کے سیکریٹری جنرل شیخ علی سلمان نے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ بحرین کے عوام آمریت کے خاتمے تک اپنی تحریک جاری رکھیں گے۔ انہوں نے اسی کے ساتھ کہا کہ ہماری تحریک مکمل طور پر، پر امن ہے اور بین الاقوامی اداروں نیز انسانی حقوق کی تنظیموں کو پر امن مظاہرین پر ملکی اور غیر ملکی افواج کے حملوں اور عوام کی وحشیانہ سرکوبی کا نوٹس لینا چاہئے۔

دوسری جانب آل خلیفہ حکومت کے وحشیانہ اقدامات میں شدت آنے کی خبر ملی ہے۔ رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے گھروں پر چھاپوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ بڑھ گیا ہے۔ جمیعت وفاق اسلامی نے ایک بیان جاری کرکے اعلان کیا ہے کہ آل خلیفہ حکومت کے سیکورٹی اہلکاروں نے العکر، بنی جمرہ، النویدارات، الدیہ، اور ابو صبیع نامی علاقوں میں چالیس سے زائد گھروں پر چھاپے مارے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق فوجیوں نے ان چھاپوں میں زہریلی آنسو گیس کا بے تحاشا استعمال کیا جس سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے ہیں۔

سعودی عرب کی راصد خبر رساں ایجنسی کے مطابق جمعے اور ہفتے کو القطیف میں آل سعود کے اہلکاروں کی فائرنگ میں کم سے کم تین نوجوان شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔ اس رپورٹ میں شہید ہونے والوں کے نام، مرسی آل حسن، علی حسن المحروس اور حسن المطاوعہ بتائے گئے ہیں۔ دوسری جانب العالم نے رپورٹ دی ہے کہ آل سعود کی بربریت کے خلاف اتوار کو بھی مختلف علاقوں میں عوام نے مظاہرے کئے ہیں۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ صوبہ القصیم کے شہر البریدہ میں سینکڑوں نوجوانوں نے اپنے مظاہروں میں آل سعود کے مظالم کی مذمت کی اور تمام سیاسی قیدیوں بالخصوص خاتون قیدیوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔

شہر مکہ میں بھی عوام کی ایک بڑی تعداد نے مظاہرہ کرکے خاتون قیدیوں کی فوری رہائی اور سعودی وزیر داخلہ محمد بن نائف کی برطرفی کا مطالبہ کیا تھا۔ قابل ذکر ہے کہ ۱۲ جون کو سعودی سیکورٹی اہلکاروں نے ریاض، مکہ مکرمہ، اور البریدہ سمیت مختلف شہروں میں پُرامن مظاہروں کے دوران تقریباً ڈیڑھ سو مظاہرین کو جن میں بڑی تعداد خواتین کی تھی گرفتار کر لیا تھا، جنہیں اب تک رہا نہیں کیا گیا ہے۔

انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ اس وقت سعودی عرب کی مختلف جیلوں میں تقریبا چالیس ہزار سیاسی قیدی بند ہیں۔ سعودی عرب میں دو ہزار گیارہ سے مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ ان مظاہروں کا زور ملک کے مشرقی علاقوں میں زیادہ ہے جہاں عوام اپنے بنیادی انسانی حقوق کی بحالی اور جمہوریت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں صعودی حکومت کو عالم اسلامی میں اپنی اسلامی ساکھ کا خیال رکھتے ہوئے ایک طرف عالمی سامراجی طاقتوں کا ہمنوالہ بننے سے سخت پرہیز کرنا چاہیے اور دوسری طرف اپنی عوام پر ظلم و ستم سے باز رہنا چاہیے۔

یاد رہے کہ مارچ ۲۰۱۱ء سے امریکہ، مغربی ممالک، قطر، سعودی عرب اور ترکی کی جانب سے امداد یافتہ دہشت گرد شام میں بھی قتل و غارتگری میں مصروف ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق سکیورٹی اہلکاروں کی بڑی تعداد سمیت شام میں اب تک ۹۳۰۰۰ سے زائد افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔ شام کے سرکاری ٹی وی کے مطابق میلکم فورڈ نامی امریکہ کا ایک بہت بڑا بحری جہاز شام میں سرگرم دہشتگردوں کے لئے اسلحہ سے بھرے ہزاروں کنٹینر لے کر آرہا تھا کہ بحر ہند میں یمن کے ساحلوں کے قریب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے۔ شامی ٹی وی نے مذکورہ امریکی جہاز کی فوٹیج نشر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تکفیری گروہوں

کے لئے اسلحہ لے کر جانے والا یہ بڑا بحری جہاز امریکہ کے گھناونے کردار کا واضح ثبوت ہے جو وہ دہشتگردوں کی حمایت میں ادا کرتا چلاآ رہا ہے۔ روس کی ایک نجی خبر رساں ایجنسی نے بھی کہا ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے والا امریکی جہاز سنگاپور کے امریکی فوجی اڈے سے اسلحہ کے چار ہزار پانچ سو کنٹینر لیکر اُردن کی بندرگاہ عقبہ کی جانب جارہا تھا۔ خبر رساں ایجنسی پورٹنگ نیوز کے مطابق یہ اسلحہ اُردن کے راستے شام میں لڑنے والے ان دہشتگرد گروہوں کو دیا جانا تھا جن کی امریکی خفیہ ادارہ سی آئی اے سرپرستی کررہا ہے۔

عالمی میڈیا کی ان رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ شام، بحرین اور سعودی عرب میں سامراجی مفادات کو بچانے کے لئے امریکہ اور اس کے حواری بعض مسلمان ممالک کس قدر گھناونا کردار ادا کررہے ہیں اور پورے خطے کو جنگ اور دہشت گردی کی دلدل میں دکھیل چکے ہیں۔ یہ تو مشرق وسطیٰ کا حال ہے، ادھر افغانستان، پاکستان، برما اور عراق کے حالات کو دیکھیں تو وہاں بھی اسلامی میراث ہی لٹ رہی ہے اور خون مسلم ہی سے ہولی کھیلی جارہی ہے۔

افغانستان میں مظلوموں پر ظلم وستم کی داستانیں تو پرانی ہو چکی ہیں اور پچھلے ۳۵ سال سے یہ ملک ظلم و ستم سہہ رہا ہے۔ پاکستان کے حالات بھی افغانستان سے کم نہیں۔ وزیرستان کے مظلوموں سے لیکر پارا چنار، کراچی، گلگت اور دوسرے مختلف پاکستانی شہروں تک کہیں ڈرون حملوں سے بے گناہوں کا خون بہایا جارہا ہے اور کہیں خود کش بمباروں کے ذریعے مسلمانوں کے گھروں کو اُجاڑا جارہا ہے۔ پاکستان کی کوئی مسجد، امامبارگاہ اور مذہبی محفل ان حملوں سے محفوظ نہیں۔ اُدھر برما میں حکومتی سرپرستی میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ عراق بھی دہشت گردی کے تابڑ توڑ حملوں کا شکار ہے۔

یہ سب نوحہ سرائی کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس ظلم وستم کے خلاف مسلمان حکومتوں کا خاموش تماشائی بننا ہمارے لئے خلاف توقع نہیں۔ چونکہ جن حکومتوں کی نظریاتی بنیادیں ہی سامراجی سرمائے اور نظریات پر استوار ہوں اُن سے خون مسلم کے تحفظ کی توقع کرنا ہی بے جا ہے۔ تعجب اور حیرت اس بات پر ہے کہ ان مظالم پر اسلامی معاشروں کے علمائے دین کی خاموشی کیا معنیٰ رکھتی ہے، وہ علمائے دین کے جو قرآنی تعلیمات کے داعی ہیں، وہ قرآن جو پکار پکار کر خون مسلم کے دفاع کا حکم دے رہا ہے اور فرمارہا ہے:

" وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا "(1)

یعنی: " اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (مظلوموں کی آزادی کے لئے) جنگ نہیں کرتے حالاں کہ کم زور، مظلوم اور مقہور مرد، عورتیں اور بچے (ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنی آزادی کے لئے) پکارتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جہاں کے (وڈیرے) لوگ ظالم ہیں، اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرمادے، اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنادے۔"

علمائے دین کا سب سے بڑا ہتھیار اُن کا قلم اور بیان ہے جس کی طاقت سے بڑی بڑی حکومتیں لرزہ براندام ہو جاتی ہیں، لیکن ایسا اُس وقت ہو سکتا ہے جب علمائے دین کا بیان اور قلم مظلوموں کی حمایت میں اپنے فرائض سے غفلت نہ کرے۔ آج فلسطین سے لے کر برما اور بحرین سے لے کر سعودی عرب، وزیرستان سے لے کر کراچی، عراق سے لے کر شام تک کے مظلوم مسلمان بچوں، عورتوں اور ضعیفوں کی چیخ وپکار بلند ہے، لیکن اُمت مسلمہ کی رہنمائی کرنے والے علمائے دین اس چیخ وپکار سے ناآشنا ہیں۔ اگر ہر مدرسے، ہر مسجد اور ہر منبر سے مسلمان مظلومین اور مستضعفین کی چیخ وپکار کے جواب میں آواز بلند ہوتی تو اُمت مسلمہ کی یہ حالت نہ ہوتی۔

عالم اسلام کی مشکلات کا سب سے بڑا حل یہی ہے کہ علمائے دین مسلکی اور گروہی اختلافات کو فراموش کر کے اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کریں خصوصاً تکفیری گروہوں کے خلاف اپنے قلم و بیان کے ذریعے علمی جہاد کریں اور ان لوگوں کے چہروں سے نقاب ہٹائیں اور اُمت کو ان کے پس پردہ محرکات سے آگاہ کریں۔ یہ ذمہ داری اسلامی معاشروں میں نفوذ رکھنے والے علمائے دین کے سوا اور کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔

1۔ النساء ،۷۵

علمی مذاکرہ دینی مدارس اور عصری تقاضے

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

sheikh.hasnain2000@gmail.com

حرف آغاز

۳۰ مارچ ۲۰۱۳ء کو جامعۃ الرضا بہارہ کہو اسلام کی لائبریری میں "دینی مدارس اور عصری تقاضے" کے عنوان پر ایک علمی مذاکرے کا انعقاد کیا گیا۔ اس علمی مذاکرہ میں جناب ڈاکٹر محمد طفیل (پروفیسر اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) جناب ڈاکٹر محمد جمیل قلندر (پروفیسر نمل یونیورسٹی، اسلام آباد) دانشور جناب ثاقب اکبر صاحب، حجۃ الاسلام جناب سید حسنین عباس گردیزی (پرنسپل، جامعہ الرضا) حجۃ الاسلام ڈاکٹر ساجد علی سبحانی (مدرس، جامعہ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد) اور ڈائریکٹر نمت ڈاکٹر شیخ محمد حسنین کے علاوہ جامعہ ہذا کے اساتید و طلاب اور چند دیگر دینی مدارس کے فاضل طلاب نے بھی شرکت کی۔ اس مذاکرہ میں شرکاء کی طرف سے "دینی مدارس اور عصری تقاضے" کے عنوان پر انتہائی اہم نکات بیان کیے گئے جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد طفیل (پروفیسر، اسلامک یونیورسٹی)

اس علمی مذاکرے میں جناب ڈاکٹر محمد طفیل صاحب نے جن علمی نکات پر گفتگو کی، اُن کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ دینی علوم کی اہمیت اور اُن کی سرگذشت

ا۔ اسلام علم کا دین ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ: " وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَاءَ کُلَّھا" (اور آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی)، اسی طرح آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی شان میں نازل ہونے والی آیت مبارکہ: "و علّمك مالم تكن تعلم" اور آپ کی دعا: "ربّ زدنی علما" نیز آپؐ کا ارشاد گرامی: "الحكمة ضالة

*۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد۔

المؤمن" اور "اطلبوا العلم من المهد الی اللحد" جیسی تمام نصوص شرعیہ، دین اسلام میں علم کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہ نصوص نہ صرف مسلمانوں کو ہر طرح کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ بلکہ یہ نصوص مسلمانوں کو تسلسل کے ساتھ زندگی کے تمام مراحل میں تعلیم کا درس دیتی ہیں۔

۲۔ دین کا علم حاصل کرنا معاشرہ کے کچھ لوگوں پر فرض ہے جس کے لئے ارشاد الٰہی ہے: "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" اس آیت مبارکہ کا منشاء یہ ہے کہ ہر دینی معاشرے میں عموماً اور اسلامی معاشرے میں خصوصاً ایسے ماہرین دین تیار ہوں، جو انسانوں کو دینی رہنمائی فراہم کریں اور دینی تعلیمات کی جدید تقاضوں کے مطابق تعبیر و تشریح کریں۔

۳۔ علم سراپا منفعت ہے۔ مضرت کا پہلو وہی ہے جس کی نشاندہی وحی الٰہی نے کی ہے۔ تمام علوم جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے ہیں۔ علم کی غایت "جلب منفعت اور دفع مضرت" ہے۔ تاکہ انسانی اور اسلامی معاشروں میں نیکی کو فروغ ملے اور برائی کا قلع قمع ہو۔ اسلام میں جس قدر جلب منفعت اہم ہے۔ اسی قدر دفع مضرت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ برائی کا ختم کرکے ہی اچھائی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ علم مسلمانوں کی میراث ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ پوری بے جگری سے علوم کی آبیاری کی ہے اور علوم میں یہ ترقی اور تسلسل اسی لیے جاری ہے۔ اسلام میں حصول علم کا باقاعدہ آغاز اصحاب صفہ سے ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک چبوترے پر علم کی شمع روشن کی اور وہاں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وحی کی تعلیمات کا درس دیا۔ آپ کی اتباع میں قائم ہونے والی ہر تعلیمی درس گاہ نہ صرف صفہ کا تسلسل ہے، بلکہ اسی علمی شمع کے نور کا پرتو ہے۔

۵۔ زمانہ جاہلیت میں بھی علوم وفنون موجود تھے۔ اسلام نے ان کے بارے میں تین رویے اختیار کئے:

- بعض علوم کو من وعن قبول کرلیا؛ جیسے انسانی عظمت اور انسانی حقوق کے علوم
- بعض علوم وفنون کو سرے سے مسترد کردیا؛ جیسے جادو، منتر، کہانت وغیرہ
- بعض علوم کو ضروری اصلاح کے ساتھ قبول کرلیا؛ جیسے جنگی اور عسکری علوم وفنون

۶۔ عہد رسالت، عہد خلافت، اور عہد عباسی سے لے کر آج تک دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہے۔ نظام مدرسہ دنیا کا سب سے بڑا NGO ہے۔ جس میں لاکھوں، بلکہ کروڑوں طلبہ تعلیم وتربیت پاتے

ہیں اور ایک عمدہ انسان، ایک مثالی مسلمان اور باکردار انسان بن کر یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ انہیں مدارس کی بدولت اسلامی تعلیمات اپنی حقیقی روح، اصلی شکل وصورت میں اور عملی طور پر موجود ہیں۔ یہ دینی مدارس اسلامی تعلیمات کے قلعے اور اسلامی قدروں کے امین ہیں۔

۷۔ عہد رسالت میں مدرسہ کا نصاب قرآن و سنت اور کچھ ادبیات تک محدود تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ، ضروریات زمانہ کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ شروع میں دینی مدارس کے نصاب کا محور طلباء کیلئے "جلب منفعت اور دفع مضرت" ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نصاب میں نئے درسی متون شامل ہوتے چلے گئے۔ بنی عباس کے دور سے پہلے روایتی یا Traditional علوم کا دور دورہ تھا، لیکن اس دور میں عقلی علوم بھی پروان چڑھے۔ یوں اسلام کی روح کے مطابق دینی تعلیمات کو نقلی اور عقلی دونوں چشموں سے سیراب کیا گیا۔ مسلمان علماء جہاں پیغام وحی سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہاں وہ عقل سے بھی کماحقہ استفادہ کرتے ہیں۔

۸۔ برصغیر میں دینی مدارس کا نظام ایک طرح کا نجی نظام تعلیم تھا۔ جو موثر بھی تھا اور معاشرے کی دینی ضرورتوں کا کفیل بھی۔ برصغیر کا نظام تعلیم، پانچ ادوار پر مشتمل ہے اور ہم پانچویں دور کا حصہ ہیں۔ اس دور میں تقریباً ڈیڑھ دو سو سال تک مدرسہ کے نظام تعلیم میں طلبہ کو ۵۰ عقلی اور نقلی علوم پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ یہ علوم صرف، نحو، بلاغت، ادب، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، حکمت، کلام، ریاضی، مناظرہ، تفسیر، حدیث اور فرائض سے عبارت تھے۔ یہ علوم وفنون ہماری روایت کے امین ہیں، مسلمانوں نے اپنے وقت میں ان سے فائدہ اٹھایا؛ لیکن دینی مدارس کا موجودہ نصاب سو، ڈیڑھ سو سال پرانا ہے اس نصاب کی کتب بہت مشکل ہیں اس نصاب کے مواد پر لسانی اور عقلی علوم کا غلبہ ہے۔

اس نصاب میں وحی کے علوم کم کم ہیں، اس لیے نصابی کتب اور ان کے مواد پر نظر ثانی اور اس کی تہذیب کی اشد ضرورت ہے۔ ان علوم کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان علوم میں پڑھائے جانے والے مواد کا نیا خاکہ تیار کرنا ضروری ہے۔ نئے خاکہ کے مطابق نئی نصابی کتب ترتیب دینا اور اساتذہ کو ان کے مطابق تربیت کا نظام فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ دینی علوم وفنون میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے۔ مسلم مفکرین جدید دینی علوم اور اجتہادی نظریات کو ضبط تحریر میں لاتے رہتے ہیں۔ نیز مسلم فکر کے مسلسل ارتقاء نے دینی علوم وفنون میں دُور رس تبدیلیاں کی ہیں، اس لیے دینی مدارس کے نصاب کو جدید خطوط پر مرتب کرنا لازمی ہے۔ تاکہ دینی اور عصری علوم میں قرب اور ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔

۲۔ اتحاد علم

۹۔ اتحاد علم کے باب میں ڈاکٹر محمد طفیل کا کہنا تھا کہ داخلی کمزوریوں، روایت پرستی اور خارجی عوامل کے تحت ہمارا نظام تعلیم ثنویت (dualism) کا شکار ہے۔ ہم دینی تعلیم کے نظام اور دنیاوی تعلیم کے نظام کو ایک دوسرے سے بہت دور کھڑا دیکھ رہے ہیں۔ اور ان دونوں نظاموں کے طلبہ میں بھی باہم دوریاں ہیں۔ ان کے مقاصد ہی ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اس لیے ان دو نظاموں نے معاشرے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم، ان دونوں نظاموں کو قریب لانا، بلکہ ایک بنانا ہے۔ پاکستان میں علم کی وحدت یا (Integrationof Knowledge) کے حوالے سے دو متفاوت تجربے ہو چکے ہیں: جن کے نتائج بھی پوری طرح معاشرے پر مرتب نہیں ہوئے۔

- **پہلا تجربہ:** ایک تجربہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا ہے جو 60 کی دہائی میں کیا گیا۔ جامعہ اسلامیہ، میں دینی علوم کو اصالت حاصل تھی؛ یونیورسٹی کا نصاب دینی رکھا گیا اور روشیں جدید تھیں۔ درحقیقت جامعہ اسلامیہ میں درس نظامی کے مضامین کو اصل بنایا گیا۔ جدید علوم جیسے اسلامی تاریخ، معاشیات، تقابل ادیان اور انگریزی زبان کے مضامین کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ تاہم جدید علوم غالب آگئے اور دینی علوم سکڑ کر رہ گئے۔
- **دوسرا تجربہ:** جو کہ Knowledge of Islamization کا تجربہ تھا۔ یہ تجربہ ضیاء الحق کے دور میں کیا گیا۔ اس تجربہ کے تحت عصری علوم کو اصل درجہ دیا گیا اور دینی علوم کو ان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اس تجربہ میں گویا "اصل الاشیاء اباحۃ" کے اصول پر دنیاوی علوم سب پڑھے جا سکتے تھے؛ محض یہ دیکھنا تھا کہ اگر کہیں کچھ علوم میں توحید و رسالت کے منافی مواد موجود ہے تو اس کی تہذیب کر دی جائے۔ اس تجربہ کی روشنی میں "محی الدین اسلامی یونیورسٹی" کا نصاب مرتب کیا گیا جس میں عصری علوم اصل تھے اور دینی علوم ان کا لازمی حصہ بنے۔ یہ تجربہ بھی زیادہ سود مند ثابت نہ ہوا کہ عصری علوم نے دینی علوم کو نقل کیا اور یہ جامعہ بھی اپنا دینی تشخص برقرار نہ رکھ سکی۔
- ڈاکٹر محمد طفیل صاحب کا کہنا تھا کہ پاکستان سے باہر دیگر مسلمان ممالک میں بھی ایسے تجربات ہوئے ہیں۔ ہمیں ان تجربات کو بھی دیکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ایران میں ہونے والے تجربے "وحدت حوزہ و دانشگاہ" کا مطالعہ کیا جائے۔ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم المقدس کے نظام تعلیم میں

ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اسی طرح جامعۃ الازہر کلیہ دارالعلوم قاہرہ، جامعہ محمد ابن سعود الاسلامیہ، الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ اسلامیہ ملائیشیا، جامعہ اسلامیہ اسلام آباد اور دارالعلوم بھیرہ کے نصاب کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ درحقیقت اس وقت ان تمام نصابوں کو سامنے رکھ کر جامعہ کی سطح پر ایک نیا نصاب ترتیب دینے کی اشد ضرورت ہے۔

۳۔ اتحاد علم کے حوالے سے چند عملی تجاویز

اتحاد علم کے باب میں ڈاکٹر محمد طفیل صاحب کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے مطابق سب علوم مفید ہیں۔ تاہم ہمارا پیمانہ یہ ہے کہ وحی الٰہی سے جو ہدایت ملی ہے وہ تمام علوم سے بالاتر ہے۔ انہوں نے اپنے خطاب کے اختتامی مراحل میں Knowledge of Integration کو عملی شکل دینے کے لیے چند عملی تجاویز بھی دیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے ہاں عام نظام تعلیم ۲۳ سال کے دورانیہ پر محیط ہے۔ جس میں سکول کی تعلیم ۱۲ سالہ، بیچلر کی تعلیم ۴ سالہ، ماسٹر کی تعلیم ۲ سالہ اور پی ایچ ڈی کی تعلیم ۵ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ جب کہ دینی نظام تعلیم میں تعلیم کی مدت ۲۴ سال کر دینا چاہیے۔ جس میں اسکول کی تعلیم ۱۲ سال، دینی علوم کی تعلیم ۸ سال، تخصصی مواد کی تعلیم ۲ سال اور مشقی مطالعہ ۲ سال تک ہو۔

اس اختصار کی تفصیل یہ ہے کہ مسلم ممالک کے تمام طلبہ کے لیے بارہ سال کا مشترک نصاب مرتب کیا جائے۔ جس میں دس سال تک طلبہ یکساں نصاب تعلیم سے استفادہ کریں۔ باقی ماندہ دو سالوں میں طلبہ کو ان کے اپنے اپنے پسندیدہ مضامین، موضوعات اور مجموعہ مضامین (Group) اختیار کرنے کی سہولت میسر ہو۔ یہ بارہ سالہ نصاب مشترک ہو کہ اس کی تکمیل کے بعد طلبہ دینی علوم یا عصری علوم میں سے کسی بھی علم میں مہارت یا تخصص حاصل کر لے۔ اس نوعیت کا نصاب ترکی کے مدارس اوقاف میں رائج ہے۔

بارہ سال کی تکمیل کے بعد طلبہ طب، ہندسہ، تجارت، لسانیات، سماجی علوم، اعلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، تقابل ادیان، سیرت طیبہ، عقلی علوم، عربی علوم اور ثقافتی علوم میں سے جس علم میں چاہیں بآسانی داخل ہو کر اپنی تعلیم مکمل کر سکیں اور تخصص کا مقام بھی حاصل کر سکیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر محمد طفیل کی مزید تجاویز یہ تھیں کہ:

ا۔ ہم ابتدائی ۱۲ سال میں دینی مدارس میں مشترکہ مواد کی تعلیم دیں۔ صرف، نحو، علم فقہ، تفسیر، سیرت، تاریخ، حساب، انگریزی، وغیرہ سب پڑھائے جائیں۔ مشترکہ نصاب پڑھنے کے بعد B.S کی طرح

گروپنگ کی جائے اور ۱۳ویں سال میں ہمیں تفسیر، علوم القرآن، حدیث، علم کلام، عقلی علوم، ملل و نحل، اشاعت دین، اور آئی ٹی وغیرہ کا نصاب پڑھایا جائے۔ نیز اسلام کو درپیش Challenges کا جواب دینے کے لیے اور نصاب سازی کے لیے الگ شعبہ تشکیل دیا جائے۔ دینی نظام تعلیم میں نئے علوم کو بھی متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسان شناسی، سائیکالوجی، عمرانیات، (سوشیولوجی)، کمیونی کیشن اسکلز وغیرہ۔

۲۔ پاکستانی معاشرہ کی ضروریات کو بھی دینی مدارس کے نصاب میں شامل رکھا جائے۔ یہاں ادیان و مذاہب، فقہ مقارن، علم کلام مقارن، سیرت طیبہ، اسلامی تصوف و عرفان اور دینی تحریکات کو شامل نصاب کرنا ضروری ہے۔

۳۔ موجودہ نسل کے طلبہ میں شکست خوردگی اور مستقبل کی پریشانی اور ناامیدی کا احساس پایا جاتا ہے۔ اسے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا شاندار ماضی مسلمانوں کی موجودہ قوت وطاقت اور مستقبل میں اسلام کے غلبہ جیسے مضامین داخل نصاب ہوں۔

۴۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ جامع پروگرام کے تحت طلبہ کی تربیت کا اہتمام لازم ہے۔

۵۔ دینی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل طلباء کو دانشگاہی طلباء کی طرح تمام حقوق و مراعات حکومت فراہم کرے۔ ان کے لئے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔ تاکہ باصلاحیت بچے اس نظام سے منسلک ہوں اور ان میدانوں میں بھی تحقیق کو فروغ ملے۔ جدید افکار و نظریات اجاگر ہوں اور ان علوم و فنون میں امتزاج علوم یا اتحاد علم کے لئے بھیرہ شریف کا نصاب اور نظام بھی اچھا تجربہ ثابت ہوا ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ جس میں عصری اور دینی علوم میں اس طرح ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے کہ مڈل پاس طالب علم داخل کیا جاتا ہے۔ ابتدائی سالوں میں اسلامی علوم کی مبادیات پڑھائی جاتی ہیں۔ تین سال کے بعد طالب ایک سال بورڈ یا یونیورسٹی کا امتحان دیتا ہے اور دوسرے سال دینی علوم کا اسی طرح وہ دونوں علوم کا فاضل بن جاتا ہے۔

۷۔ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور اور اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کا قیام بھی اسی فکر کے تحت عمل میں لایا گیا تھا۔ نیز ایران میں وحدت حوزہ و دانشگاہ کا تجربہ اور خاص طور سے جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم المقدس کے زیر نگرانی نظام مدرسہ میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ان سب تجربات سے آگہی

حاصل کرکے اب ہمیں ایک نیا نظام تعلیم ترتیب دینا ہوگا۔ جس کی اساس وحی ہو اور دیگر علوم اس کے تابع ہوں۔

۸۔ اگر پاکستان میں جامعہ الازہر کی طرز کا ایک علمی مرکز قائم ہو جائے۔ جس میں تمام مسالک کے طلبہ بلا تفریق و امتیاز علم حاصل کر سکیں تو اس کے یہاں مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ تاہم جامعۃ الازھر کے نصاب کو اسلامی تقاضوں اور عصری ضرورتوں کے مطابق ڈھالا جائے۔

ڈاکٹر محمد طفیل صاحب نے اتحاد علم کے حوالے سے بعض خدشات کا اظہار بھی فرمایا اور بعض ایسے نکات کی طرف توجہ دلائی جو اس حوالے سے پوری جدوجہد کو ضائع کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض نکات درج ذیل ہیں:

۹۔ اتحاد علم کی خاطر طالبعلم پر یونیورسٹی اور مدرسہ دونوں کا بوجھ بیک وقت ڈال دیا جاتا ہے، جو نا قابل برداشت اور نا قابل تحمل ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ عموماً دونوں طرح کے علوم میں کمزور رہتے ہیں۔

۱۰۔ اس کام میں قانونی مشکلات بھی ہیں؛ کیونکہ آپ قانوناً بیک وقت دو ڈگریاں نہیں لے سکتے۔ نیز ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں جو ان دونوں نظاموں کو بیک وقت سمجھ کر اس کی افادیت کو عام کر سکے۔ نیز سائنسی علوم کو وحی کے علوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔

۱۱۔ بیک وقت چند زبانیں سکھانا بھی ماہرین لسانیات کے مطابق ایک غلط روش ہے۔ کیونکہ بیک دو یا زیادہ غیر ملکی زبانیں سکھانا۔ انسانی صلاحیت کے ساتھ زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔

۱۲۔ اتحاد علم کی یہ کوشش کہ دینی مدرسہ کے طالبعلم کو یونیورسٹی بھیجا جائے بھی خالی از اشکال نہیں ہے؛ کیونکہ طالبعلم جب کالج یونیورسٹی جاتا ہے تو اس کے پاس مدرسہ کی تعلیم کے حصول کے لئے حوصلہ وہمت اور توانائی باقی نہیں رہتی۔ نیز ایسا طالبعلم آہستہ آہستہ دینی مدرسہ کو کئی مادی انگیزوں کے تحت ترک کر دیتا ہے۔ فکر مندی کا موجب یہ ہے کہ مادی علوم، دینی علوم کے اداروں کو ہڑپ نہ کر جائیں۔ پاکستان میں اتحاد علم کے تمام تجربے ناکام رہے ہیں۔ اور اب ایک نئے نظام تعلیم کو فروغ دینا ہے جو اتحاد علم کا علمی نمونہ بنے۔

۱۳۔ ہمارا تعلیمی نصاب حکومتی سطح پر امیر وغریب کی تفریق کا شکار ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب حکومت نے دانش اسکول کا جو تصور دیا ہے، وہ تعلیم میں تفریق کی طرف ایک قدم آگے بڑھانے کے مترادف

ہے۔ علم حاصل کرنا سب انسانوں اور سب بچوں کا مساوی حق ہے۔ اس حوالے سے ہماری حکومتوں کو مساویانہ اور عادلانہ رویہ اپنانا ہوگا۔

۱۴۔ دینی علوم ہوں یا مروجہ علوم ان کے نصاب کی ترتیب وتدوین بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کیونکہ دینی علوم کا نصاب کئی نسلوں سے ایک ہی ہے۔ جب کہ عصری علوم کا نصاب بھی دادا پوتا اور پڑپوتا پڑھتے ہیں۔ ہر پانچ سال بعد نیا نصاب مرتب کیا جائے۔

امت مسلمہ آج جن مسائل سے دوچار ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل یہ ہیں:

- ناخواندگی، پس ماندگی اور بے روزگاری۔
- جدید علوم میں ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے رہنا۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے صنعتی ممالک کا محتاج ہونا۔
- اپنے دفاع اور عسکری قوت کے لیے اسلحہ سازوں کا دست نگر ہونا۔
- خوراک میں ترقی یافتہ ممالک کا محتاج ہونا۔
- باہمی محبت، اخوت، یگانگت اور ہم آہنگی کا فقدان۔
- علوم وفنون میں قیادت سے محرومی۔
- دینی علوم میں جمود اور ترقی سے خالی ہونا۔
- جدید علوم وفنون کی ایجاد واختراع نہ کرنا۔
- عالمی سطح پر جدید علمی ترقیوں سے ناواقف رہنا۔

یہ اور اس طرح کے بہت مسائل مسلم ریاستوں اور مسلم معاشروں کو درپیش ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں ان مسائل کے کئی بنیادی اسباب ہیں۔

- مسلمانوں میں دینی اور عصری علوم کا متعدد نہ ہو۔
- دینی اور عصری علوم کے متحرک پہلو (Dynamic Aspect) کا فقدان۔
- مسلمانوں کا اپنی مذہبی تعلیم کے باوجود علوم وفنون پر توجہ نہ دینا۔
- درس گاہ میں اسلامی تشخص کا نہ ہونا اور ان پر جدید علوم کا غلبہ۔

- جدید علوم وفنون سے بے بہرہ ہونا۔
- علوم وحی کی وسعت، قدرت اور حکمت سے واقف نہ ہونا۔
- مغربی مرعوبیت کے تحت اسلامی احیاء کی طرف توجہ نہ دینا۔

یہ اور اس طرح کے دیگر رجحانات مسلمانوں میں اس لیے پیدا ہو کر پروان چڑھ رہے ہیں کہ مسلمان تعلیم کو اس کا جائز مقام نہیں دے رہے۔ مسلمانوں کا اختیار کردہ نظام تعلیم وحی کی حکمت سے خالی ہے۔ ان کا نظام تعلیم ثنویت کا شکار ہے۔ ان کے ہاں جدید نصاب موجود نہیں ہے۔ نیز مسلمانوں میں تحقیق کی ثقافت (Research Culture) موجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ رسم کہن پر جاری ہیں۔

عصری ترقی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ مسلمان اپنی ریاستوں اپنے معاشروں اور اپنے اداروں میں تعلیم کو پہلی ترجیح دیں۔ اور اپنی اپنی نسلوں کے لیے ایک اب نیا نظام تعلیم مرتب کریں۔ اس کی اصل وحی کی تعلیم ہو۔ دیگر تمام علوم وفنون اس کے تابع ہوں۔ اور علم کو مومن کی گم گشتہ متاع سمجھ کر ہر جگہ سے تلاش کریں اور ہر صافی چشمے سے حاصل کیا ہے۔

محترم پروفیسر جناب جمیل قلندر صاحب

''اتحاد علم کی اہمیت اور علوم کی دینی و دنیاوی میں تفریق کی نفی''

اس علمی مذکارے میں جناب محترم جناب ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے ''اتحاد علم کی اہمیت اور علوم کی دینی و دنیاوی میں تفریق کی نفی'' پر اپنی مختصر مگر جامع گفتگو میں بتایا کہ ایک عرفانی نگاہ میں دین اور دنیا کی تفریق توحید کے خلاف ہے۔ اور جب ایسا ہے تو توحیدی نگاہ، دین و دنیا دونوں پر ایک ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ علوم کی دینی و دنیاوی میں تفریق ایک غلط تفریق ہے اور یہ تفریق توحیدی نظریۂ حیات کے برخلاف ہے؛ کیونکہ توحید کا مقصد یہ ہے کہ دین و دنیا دونوں ایک ہیں۔ اور جہاں تک تعلیم وتربیت کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے جناب ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب کا کہنا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں جو اعلان ہوا، اس اعلان میں ہم ایک بنیادی فکر ہم پاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اے انسان! تو پڑھ، تحقیق کر! لیکن یہ تحقیق ایک چراغ کی روشنی میں ہو اور وہ

چراغ ہے ہدایت کا چراغ۔ وہ اللہ تعالی کے اسم ''ربّ'' کا چراغ ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے: ''اقراء باسم ربّک۔۔۔''

جناب پروفیسر جمیل قلندر صاحب کا کہنا تھا کہ اس آیت میں ''اسم'' دراصل علامت کے معنی میں ہے اور المفرودات میں راغب اصفہانی کے مطابق ''ربّ'' عین تربیت ہے: ''الربّ ھو التربیۃ'' یعنی: ''رب، عبارت ہے تربیت سے۔ اور یہ ''ربّ'' مصدر ہے اور اگرچہ مربی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن در واقع، عین ربوبیت ہے۔ اور ربوبیّت کیا ہے؟ یہاں المفرودات راغب اصفہانی میں ایک بڑا خوبصورت جملہ ہے: ''انشاء شئی حالا فحالا الی حد التمام'' یعنی: تربیت نام ہے کسی چیز کی ایک حالت سے دوسری حالت میں نشوونما کا؛ یہاں تک کے وہ شئے مرحلہ تکمیل کو پہنچ جائے۔'' یہ تربیت ہے، یہ ربوبیت ہے۔

بنابرایں، تربیت، یعنی ''ایک شئے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں لے آنا'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اللہ تعالی، انسان کا ''ربّ'' ہے اور اس تناظر میں انسان کو مسلسل ایک چیز میں آگے بڑھنا ہے، پھیلنا ہے اور ترقی کرنا، اوپر چڑھنا ہے اور نیچے گہرائی میں اترنا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس تربیت کو تین ابعاد (Dimensions) میں ہونا چاہیے: ایک تو آگے بڑھنا ہے (تقدّم)؛ ایک نیچے اترنا ہے (گہرائی میں) اور ایک اوپر چڑھنا ہے۔ پس ایک حرکت مستقیم ہے، ایک حرکت افقی ہے اور ایک صعودی ہے۔ اور یہ جو تین بُعدی (dimentsional3) حرکت ہے، اس کے حوالے سے رب کریم نے فرمایا ہے کہ یہ تین جہتوں میں حرکت یا تربیت، اس کا آئین یہ ہے کہ اپنے رب جو کہ عین تربیت ہے اس کی روشنی میں میں ہو، اس کی روشنی میں وہ کچھ پڑھ جو ''الّذی خلق'' یعنی اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔

ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب نے علامہ اقبال کی کتاب The Reconstruction of religious Thought in Islam سے یہ جملہ نقل فرمایا: ''**اسلام کا ظہور، استقرائی فکر کا ظہور ہے۔**'' اب ''قرأ'' اور ''استقرأ'' کا مادہ ایک ہے اور استقراء کہتے ہیں جزئیات کے مطالعہ کو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کونسی جزئیات کا مطالعہ ضروری ہے؟ جواب یہ ہے کہ تین جزئیات کا مطالعہ ضروری ہے جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطالعہ ہے۔ اور پھر ان اصول و قوانین کا مطالعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے پیچھے کارفرما ہیں۔ دراصل آیات الہی، مظاہر قدرت ہیں اور ان مظاہر قدرت پر حاکم قوانین کو ''سنن اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی سنتیں کہا جاتا ہے، جنہیں سائنسدان Laws of nature

کہتے ہیں۔ اور اس سب کچھ کے پیچھے ایک اور Realm ہے جسے "عالم امر" کہتے ہیں۔ اور ان کے فارمولے Conceptual Paradigms ہیں جنہیں کلمات اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں دین کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس حوالے سے سورہ روم میں بہت عمیق آیت ہے جس میں ارشاد ہوا ہے: "فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللّٰہ ذلك الدین القیّم" یعنی: اللہ کی فطرت (Nature&Nurture) جس کے مطابق اس نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول و قوانین بنائے ہیں جو اس کی خلقت میں کارفرما ہیں، جن میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تبدیلی اس لیے نہیں ہے کیونکہ خود قرآن کریم تصریح کرتا ہے کہ: "تمّت کلمۃ ربّك صدقا و عدلا لاتبدیل لکلمات اللہ" یعنی: "تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل میں کامل ہیں، (پس) اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کسی تبدیلی اور ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔" کلمات الٰہی کائنات کی "نہائی سچائی" یا Ultimate Truth ہیں۔

تو فطرت الٰہی وہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسانی کو پیدا کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے وہ اصول و مسلمات ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہی قوانین فطرت ہی تو دین ہے۔ اور جب ایسا ہے تو پھر دین اور دنیا میں دوئیت اور امتیاز کہاں رہا؟ یہی وجہ ہے کہ حضور (ص) کے دور میں دنیا اور دین میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اسی طرح سے اگر حضرت علی (ع) جن کے بارے میں نبی اکرم (ص) نے ارشاد فرمایا کہ: "انا مدینۃ العلم و علیٌ بابھا" یعنی: "میں میں علم کا شہر ہوں اور علی (ع) اس کا دروازہ ہیں" تو یہ علی (ع) نہج البلاغہ میں کن کن موضوعات پر گفتگو فرماتے ہیں؟ یہاں تک کہ طاؤس کی خلقت پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ہے۔ اسی طرح چمگادڑ کی تخلیق اور اس کی تخلیق میں پوشیدہ اسرار کا بیان پڑھ کر آپ کو اس خطبہ میں دین و دنیا ایک ساتھ نظر آجائیں گے۔ اسی طرح مچھر کے بارے میں، چیونٹی کے بارے میں آپ کے بیانات۔ اسی طرح مالک اشتر کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو "رب العالمین" قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک نہیں، کئی عوالم کا پالنے والا ہے اور وہ بھی ایسے عوالم کہ ہمارے ایک سائنس کے مطابق یہ جو آسمان دنیا یا (Nearest Heaven) ہے، صرف اسی میں 15 بلین گلیکسیز ہیں اور ہر گلیکسی میں 15 بلین سولر سسٹم پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے آپ دیگر چھ آسمانوں (Heavens6) میں جو کچھ ہے اور ان عوالم کی وسعتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اتنی بڑی عظیم

کائنات کا اللہ تعالی خالق ہے۔ اب ہم کیسے اس شک و تردید میں مبتلا رہ سکتے ہیں کہ آیا ہمیں اس کائنات کو پڑھنا چاہی یا نہیں؟ پس "ربّ العالمین" (اللہ تعالی کی صفت)، "رحمۃ للعالمین" (نبی اکرم (ص) کی صفت) اور "ذکر للعالمین" (قرآن کریم کی صفت) یہ تین ایسے تصورات ہیں، ایسے مفاہیم ہیں کہ جو ہماری گفتگو کی جہت متعین کرتے ہیں۔

حضور اکرم (ص) کی حدیث ہے: "اطلبوا العم و لو بالصین" یعنی: "علم حاصل کرو! خواہ تمہیں چین ہی جانا پڑے۔" میرا سوال یہ ہے کہ اُس وقت چین میں کونسا علم تھا؟ کنفوشش کی تعلیمات؛ اور کنفوشش کی تعلیمات کے حوالے سے مشہور فلسفی ہیگل کی کتاب Lectures on Religion میں کہا گیا ہے کہ کنفوشش کے مطابق کائنات میں قوانین کے دو مجموعے ہیں۔ ایک مجموعہ Rules of Reson ہے اور دوسرا laws of Balance ہے۔ اور laws of Balance سے انحراف کی صورت میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی اور Rules of Reson سے اگر ایک معاشرہ انحراف کرے تو یہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اب اگر ہم قرآن کریم کا جائزہ لیں تو قرآن کریم نے انہی دو طرح کے قوانین ہی کی تو وضاحت کی ہے۔ خدا نے کائنات کو خلق فرمایا ہے اور اس میں توازن رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: "و السماء رفعھا و وضع المیزان" البتہ ساتھ یہ ہے کہ: "ألّا تطغوا فی المیزان و اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان" یعنی: ہم اس توازن میں جو اللہ تعالی نے کائنات کے نظام میں رکھا ہے، خرابی اور طغیان نہ کریں۔ اور وزن کو قسط سے قائم رکھیں۔ اور میزان کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اسی طرح دیگر کئی آیات میں بھی ہر شی کا ایک پیمانہ اور سکیل بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: "انّا کلّ شئی خلقناہ بقدر" یعنی ہم نے ہر شئے کو پیمانوں کے مطابق پیدا کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر شئے کی حدیں، قدریں متعین فرمائی ہیں۔ بنابرایں، قرآن کریم تمام علوم کے بیان میں عصری علوم سے آگے ہے۔ پس ہم کیوں پیچھے رہ گئے۔ ہمارے قدماء جن میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن رشد، الغزالی، ملاصدرا اور میر داماد جیسے افراد شامل ہیں سب مختلف علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

لیکن ہم جو کہ انحطاط کے دور کی پیداوار ہیں، ہمارے لیے یہ امر محل تأمل بن گیا ہے کہ ہم علم کو کیسے justify کریں۔ ہم نے اس مسئلہ کو Controversial بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت (اقرء باسم ربّک الّذی خلق) یہ کہتی ہے کہ پڑھ! لیکن ربوبیت کی صفت کی تجلی میں؛ اس سے الگ اور جدا ہو کر نہ پڑھ۔ اگر آپ

ربوبیت کی تجلی سے الگ ہو کر پڑھیں گے تو یہ علم آپ کو انحراف کے راستوں پر لے جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ پڑھیں اور قرآن نے ایک موضوع بھی دے دیا؛ یعنی: ''خلق الانسان من علق'' یا انسان کی تخلیق کا موضوع۔ نیز قرآن کریم نے گویا ان آیات میں تعلیم کے حصول کی روش بھی بتادی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ''الذّی علّم بالقلم''، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ قلم کیا ہے؟ آج قلم، کمپیوٹر بھی ہے اور قلم موبائل بھی ہے۔ حدیث شریف میں قلم کا ایک نام '' القلم الاعلی'' (Higher Pen) آیا ہے۔ یعنی ایک ایسا قلم جو جیب میں سما جائے اور جس کے اندر سارا ڈیٹا موجود ہوتا ہے۔ اب تو یہ مسئلہ کمپیوٹر نے حل کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ ہم علم میں Dualism یا مغایرت کو برطرف کریں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''قل سیروا فی الارض لتکون لکم قلوب تعقلون بھا'' یعنی: ''زمین میں سیر وسیاحت کرو تاکہ تمہیں ایسے قلوب حاصل ہوں جن کے ذریعے تم تعقل کر سکو۔'' تو اس تناظر میں ہمارے طلباء اور علماء کے لیے ''سیر فی الارض'' ضروری ہے۔ یہ حکم ہے۔ مغرب میں کیا ہو رہا ہے۔ مغرب میں کون کون سے علوم پڑھائے جارہے ہیں۔ ان کا منہاج اور method کیا ہے؟

ہمارے ہاں جو درس نظامی تھا وہ ایک مکمل منہج تھا لہٰذا partition کے وقت کا جو درس نظامی کا نصاب تھا اگر وہ Restore ہو جائے تو غنیمت ہے۔ وہ کتابیں جو منطق کی کتابیں، ریاضیات، ہندسہ، فلسفہ، علم کلام، تصوف کی کتابیں، اخلاقیات، اخلاق جلالی، کمالی، بوستان، گلستان وغیرہ بڑی خوبصورت کتابیں ہیں۔ اگر عصری علوم کے ساتھ وہ رائج ہو جائیں تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

میں سمجھتا ہوں ہمارے علماء ہم سے بہت آگے تھے؛ خصوصاً علم لغت میں۔ ہمارے ہاں لسان العرب، تاج العروس، اور مقائیس اللغہ جیسی اہم تحقیقات کی ہیں۔ مغرب میں تو یہ تحقیقات Semantics یعنی علم المعانی کے نام پر اب شروع ہوئی ہیں۔ اسی طرح فلسفہ کی اپنی اہمیت ہے اور جب تک آپ فلسفہ نہیں پڑھیں گے آپ تعلیم کو نہیں سمجھیں گے۔ جب تک آپ فلسفہ نہیں پڑھیں گے آپ تاریخ کو نہیں سمجھ سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر جمیل قلندر کے مطابق ہمارا المیہ یہ ہے کہ عہدِ پارینہ میں ہمارا جو Excellence تھا وہ فکر میں، استقراء میں وہ ہم نے نصاب سے خارج کر دیا ہے۔ ضرورت اپنے ماحول کے بارے میں آگاہ رہیں۔ ہمارے آگے کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ اس کو سمجھیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں امان میں رکھے۔

یورپ میں ہر ملک کا اپنا ایک فلسفہ ہے لیکن ہمارا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر فرقے میں سے ایک طائفہ ہونا چاہیے اور طائفہ کا معنی حرکت اور Movement ہے۔ ''لیفقہوا فی الدین'' تاکہ دین میں تفقہ، حاصل ہو اور فقہ کیا ہے؟ فقہ سوجھ بوجھ یا (understanding) کو کہا جاتا ہے۔ اور تفقہ کے بعد اپنی قوم کو شعور دیں تاکہ وہ اپنی حفاظت کا سامان مہیا کریں۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں ایک Holistic Disciplinary طریقے سے علم کو حاصل کرنا ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادارے (جامعۃ الرضا) میں ایک ایسا ماڈل بنادیں تاکہ دوسرے ادارے بھی ہماری پیروی کر سکیں۔

محترم دانشور جناب ثاقب اکبر صاحب

اس محفل مذاکرہ میں جناب ثاقب اکبر صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے درج ذیل اہم نکات پر زور دیا:

- جب تک ہم یہ تسلیم نہ کر لیں کہ ہمارے دینی تعلیمی نظام میں کہیں کوئی کوتاہی ہوئی ہے، تب تک ہم اصلاح کی طرف گامزن نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا پہلے مرحلے میں احساس زیاں ضروری ہے؛ تاکہ اصلاح کا ساماں ہو سکے۔
- علوم کی دینی و غیر دینی میں تقسیم غلط ہے۔ اس لیے کہ عالم کائنات، تجلی الٰہی ہے اور تجلی الٰہی کا مطالعہ غیر دینی نہیں ہو سکتا۔
- کلیسا میں رنسانس کے بعد دین کو افیون قرار دے کر میدان سے نکال دیا گیا۔ لہٰذا کائنات کی جو شناخت یورپ میں سامنے آئی وہ مادی شناخت ہے اور یورپ کی تہذیب کی اساس، اسی مادی شناخت پر رکھی گئی ہے۔ جب تک کائنات کی روحانی شناخت نہ ہو، الٰہی تہذیب تشکیل نہیں پا سکتی۔
- جب بھی دینی مدارس، کوئی نصاب تدوین دینا چاہیں تو چونکہ یہ نصاب، انسانوں کے لیے تدوین پانا ہے، پس انسان شناسی کے بغیر کوئی قابل قبول نصاب تعلیم تدوین نہیں پا سکتا۔ لہٰذا ایک درست نصاب کی تدوین کے لیے دقیق انسان شناسی ضروری ہے۔

- دینی مدارس کے نظام تعلیم میں ہم نے سوشل سائنسز کو بھلا دیا ہے۔ حالانکہ معاشرتی تحولات لانے والے، سائنس دان نہیں تھے بلکہ جب بھی معاشروں میں کوئی معاشرتی تحول ایجاد ہوا تو سوشل سائنسز کے ماہرین نے ایجاد کیا۔ ہمیں اس علوم پر گہری توجہ رکھنا چاہیے۔
- اس میں شک نہیں کہ مغرب میں کئی علوم و فنون میں بہت پیشرفت ہوئی ہے۔ یہ انسانی تلاش کا نتیجہ اور انسانیت کی میراث ہے۔ ہمیں اس پیشرفت سے ضرور اپنی حد تک فائدہ اٹھانا چاہیے۔
- مدارس دینیہ کو اس بات پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ وہ یونیورسٹیز کو کیا دے سکتے ہیں اور یونیورسٹیز سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹیز میں جو علمی پیشرفت ہوئی ہے وہ ہمیں وہاں سے لینا چاہیے۔ اسی طرح تدریس کے طریقوں اور روش Methodology میں جو پیشرفت ہوئی ہے، اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔
- ہمارے پاس دینی تعلیم و تعلم کی ایک تاریخ موجود ہے، اس تاریخی تجربہ کا تحلیلی جائزہ لے کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مثال کے طور پر دار العلوم دیوبند یا دیگر اہم مدارس اور دار العلوم کے تعلیمی نظام کا جائزہ لینا چاہیے اور ماضی کے تجربات کی روشنی میں مستقبل کی راہیں تلاش کرنا چاہیں۔
- تقابلی مطالعات پر دینی مدارس میں خاصی توجہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ ہمارے طلباء میں تقابلی مطالعات کا رجحان پیدا ہو۔

- ہمارے مدارس میں تربیت مدرس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جا رہی، اس امر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
- اسلام ایک ایسا دین ہے جو کوئی جامد نظام Dictate نہیں کرتا بلکہ ہر دور میں زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ہمیں اجتہاد کرنا چاہیے۔ ہمیں دینی تعلیم کے لیے ذہین ترین لوگوں کی ضرورت ہے، اس کا اہتمام کیا جائے۔

پروفیسر جناب سید اظہر علی عابدی صاحب

محفل مذاکرہ کے ایک اور خطیب پروفیسر جناب سید اظہر علی عابدی صاحب تھے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں درج ذیل اہم نکات کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول فرمائی:

- علم کی حقیقت میں کوئی دوئیت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اتحاد علم ضروری ہے اور ہمیں دو الگ الگ تعلیمی نظاموں کی دلدل سے نکلنا ہوگا۔
- مدرسہ اور یونیورسٹی کے درمیان ایک بہت بڑا Communication Gap پایا جاتا ہے۔ اس Gap کو ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔
- دینی مدارس میں نیچرل سائنسز کو سرے سے بھلا دیا گیا ہے۔ اگر آفاق میں آیات الٰہی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا تو پھر نیچرل سائنسز جو کہ آفاق ہی کے مطالعہ کا نام ہیں، ان کی ہمارے مدارس میں تعلیم کیوں نہیں دی جاتی۔ کم از کم ہمیں معلوم تو ہو کہ کائنات ہے کیا اور نیچر اپنے دل میں کیا کیا آیات الٰہی لیے چلتی ہے۔
- خلاصہ یہ کہ

؎ عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے!

سجاد حیدر، کفایت حسین، سینئر طالبعلم جامعہ الحجۃ

محفل مذاکرہ میں چند مدارس کے بعض سینئر طلباء نے بھی شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس حوالے سے جامعۃ الحجۃ کے دو سینئر طالبعلم سجاد حیدر اور کفایت حسین نے گفتگو کرتے ہوئے درج ذیل نکات اٹھائے:

- قرآن کریم کا بنیادی ہدف عبودیت اور طلب عمران ہے۔ یعنی ایک الٰہی نظام کے تحت اس سرزمین کی آبادانی اور تعمیر و ترقی۔ عمران سے مربوط علوم کو ہم نے یونیورسٹی کے حوالے کیوں کر دیا اور ہمارا دینی نظام تعلیم اس سے لاتعلق کیوں ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور اس کا لازمہ اتحاد علم اور نیچرل سائنسز کو بھی دینی تعلیمی ماحول میں لانا ہے۔

❖ اگر یونیورسٹی کو یونیورسٹی ہی رکھنا ہے تو سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان ممالک کی یونیورسٹیز میں عبودیت پروردگار کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے؟ کیوں نہیں؟ کوئی راہ حل نکالنا ضروری ہے۔

❖ ہمارے مدارس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے جو outstanding ہوں۔

سینئر طالبعلم میثم علی، علی عمران، مجتبیٰ حسن اور صابر حسین سراج، جامعۃ الرضا

جامعۃ الرضا کے سینئر طالبعلم جناب میثم علی، علی عمران، مجتبیٰ حسن اور صابر حسین سراج نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے درج ذیل نکات اٹھائے:

❖ ہمارے دینی پیشواوں کا بیان یہ ہے کہ اگر لوگوں کو ہمارے کلام کی خوبیوں کا پتہ چل جائے تو وہ یقینا ہماری پیروی کریں گے۔ اگر ہمارے دینی مدارس کا نظام، ہمارے دینی پیشواوں کے کلام کا بیان ہے تو ہم کوئی ایسا راستہ نکالنے میں آج تک کامیاب کیوں نہیں ہوئے کہ لوگوں کو ہمارے دینی نظام کی خوبیوں کا پتہ چل سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے دینی مدارس کی تعلیم کے نظام کی ایک بہت بڑی خامی ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔

❖ دینی مدارس کے نظام میں تین بنیادی خامیاں یعنی: سستی، مایوسی اور احساس کمتری، نظر آتی ہیں؛ انہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔

❖ ہمارے دینی نظام تعلیم میں تعلیم ہے، تربیت کا فقدان ہے۔ اس حوالے سے کوئی راہ حل تلاش کیا جائے۔

❖ ہمارے ہاں داخلہ کا کوئی خاص معیار نہیں ہے؛ داخلوں کا اچھا معیار قائم کیا جائے۔

❖ ہماری ذمہ داری عالمی ہے، ہمارے دینی نظام میں پوری بشریت کیلئے کوئی نظام دینے اور مہدویت کے نظریہ کو آگے بڑھانے کا کام انجام نہیں پا رہا، اس پر زور دیا جائے۔

❖ ہمارے دینی مدارس کی تعلیم Oriented Student نہیں ہے۔ طالبعلم کی ضروریات، تقاضوں اور صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی نظام بنایا جائے۔

❖ ہمارا دینی نظام جامد ہے، لہٰذا اس اصول پر عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ:

. Adopt the nature of water and don,t be the stone

گذشتہ سے پیوستہ

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ

تقی صادقی*
تلخیص وترجمہ: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

مستشرقین نے اپنے قرآنی مطالعات میں تاریخ قرآن، قرآنی ادبیات، قرآن کریم کے ترجمے اور قرآنی مفاہیم و مطالب جیسے کئی موضوعات پر کام کیا ہے۔ قرآن کی تاریخ پر انہوں اس لیے کام کیا کیونکہ ان کا ذہن بشری تألیفات کے نظم و ترتیب سے مانوس تھا۔ لہٰذا قرآن کریم کے مطالعہ کے دوران وہ ایسا محسوس کرتے کہ گویا کہیں قرآن کی جمع آوری میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان کی کوشش یہ رہی کہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں اور آثار قدیمہ کے علوم و فنون کی مدد سے قرآن کے کسی اصلی نسخہ تک پہنچ پائیں۔ رہا قرآنی ادبیات کا سوال تو اس پر مستشرقین کا کام، زیادہ تر ایک طرح کا ذیلی کام تھا۔ قرآن کریم کے ترجمہ پر بھی مستشرقین نے خاصی توجہ دی اور اس کام کا پہلا مرحلہ، انیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے جبکہ اس کام کا دوسرا مرحلہ، بیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے جس میں کافی استحکام پایا جاتا ہے۔

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا وسیع ترین پہلو، قرآنی مطالب و مفاہیم کے بارے میں غور و خوض اور تحقیقات ہیں۔ ان مطالعات کو اپنی جگہ دو توصیفی اور تطبیقی مطالعات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تطبیقی مطالعات میں زیادہ تر قرآنی داستانوں پر بحث ہوئی ہے اور ان کا عہدین وغیرہ کی داستانوں سے موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ جہاں تک مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ اہداف اور مقاصد کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے سب مستشرقین پر ایک حکم جاری نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان میں سے بعض کے اس کام کے محرکات استعماری تھے تو بعض کلیسا کے زیر اثر تبشیری محرکات کے تحت یہ کام انجام دے رہے تھے۔ ایسا بھی ٹھا کہ بعض مستشرقین نے خالصتا علمی اور تحقیقی محرکات کے تحت قرآنی مطالعات انجام دیے۔ قرآنی مطالعات میں مستشرقین نے جن مختلف علوم اور روشوں یا اسالیب سے استفادہ کیا ان میں آثار قدیمہ کا علم، زبانشناسی، نسخہ شناسی، خط شناسی اور ہرمینیوٹک کا علم شامل ہیں اور جن عمدہ روشوں کا سہارا لیا گیا ان میں پوزیٹیویزم، تاریخی مرمت کاری، ادبی روش اور تاریخ نجات کی روش شامل ہیں۔

* ۔ قونصلیٹ جنرل: ثقافتی قونصلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے موضوعات

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کو کسی ایک قرآنی موضوع میں محدود نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ ان مطالعات کو درج ذیل متفرق موضوعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ تاریخ قرآن اور مربوط موضوعات

قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہوئے مستشرقین کو ایک عمدہ مشکل یہ در پیش رہی ہے کہ وہ قرآن کریم اور عہدین میں بہت نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں۔ اس مشکل کا پس منظر یہ ہے کہ عام طور پر ایک مستشرق، جس کا ذہن عہدین سے مانوس اور غیر مسلم تہذیب کا خوگر ہوتا ہے، قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس کے سامنے کوئی نامنظّم، بے ربط اور اجنبی سا متن موجود ہے۔ لہٰذا ایک ایسے قاری کی حیثیت سے کہ جس کا ذہن بشری تالیفات اور انسانی مکتوبات کے نظم و ترتیب سے مانوس ہوتا ہے، جب وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ کہیں قرآن کریم کی جمع آوری اور تدوین میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے یا قرآن کی عبارتوں میں کوئی نقص پایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مستشرقین عام طور پر قرآن کریم کے بارے میں سب سے پہلا فرضیہ یہ قائم کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور سوروں کی ترتیب و نظم و نسق میں کوئی خلل پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں اور آثار قدیمہ کے علوم و فنون کی مدد سے قرآن کے کسی اصلی نسخہ تک پہنچ جائیں اور یوں قرآن فہمی میں موجود اپنی اس مشکل کو بر طرف کر سکیں۔ بنابرایں، مستشرقین کیلئے ایک دلچسپ موضوع یہ ہے کہ قرآن کیسے معرض وجود میں آیا، اس کی تدوین کیسے ہوئی، اس کے متن کا تسلسل کیسے قائم رہا اور اس میں قرائتوں کا اختلاف کیوں اور کیسے پایا جاتا ہے؟ ان سوالات کا جواب پانے کے لیے مستشرقین نے قرآن کی تاریخ اور اس سے مربوط موضوعات پر کافی کچھ لکھا ہے۔

اس حوالے سے فرانسس بوٹہ نے ابتدائی کوششیں انجام دیں۔ اس کے بعد Gastav wiel اور Teodor Noldeke نے اس کام کو جاری رکھا۔ نولدکہ نے کوشش کی تاکہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں، اسلام کے روایی متون کی مدد سے، نیز زبان شناسی پر (فقہ اللغوی) مطالعات کے ذریعے، قرآنی متن کی تاریخ تک رسائی حاصل کرے۔ اس کے بعد Gotthelf Bergstrasser اور Otto Pretzl نے اُس کے کام کو جاری رکھا اور انہوں نے جرمنی زبان میں اپنی معروف کتاب "تاریخ قرآن" لکھی۔ Bergstrasser نے Bavaria کی تہذیب میں جو اہم کام انجام دیا، وہ قرآن کریم کے قدیمی ترین نسخوں کی جمع آوری تھا۔

البتہ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مستشرقین کی ان سب کوششوں کے باوجود نتیجہ صفر رہا۔ کیونکہ قرآن کریم کوئی بشری کلام تو تھا نہیں کہ اس میں انسانی تالیفات کا سا اسلوب کلام ڈھونڈا جا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ تمامتر کوششوں کے باوجود مستشرقین کو قرآن کریم کے مختلف نسخوں کی جمع آوری سے کچھ حاصل نہ ہوا؛ کیونکہ ان نسخوں میں کوئی قابل ذکر اختلاف پایا ہی نہیں جاتا تھا۔

بہر صورت، مستشرقین نے قرآنی آیات اور سوروں کے نزول کی ترتیب معین کرنے اور ان میں بشری تالیفات کا سا ربط ایجاد کرنے کی غرض سے قرآن کے اسلوب، قرآن کی مکی و مدنی آیات کی خصوصیات، اسباب نزول، نسخ، نزول کی ترتیب بیان کرنے والی رویات، اور کئی تاریخی شواہد اور اسناد اکٹھی کیں۔ نیز مختلف قرائتوں کا مطالعہ کیا، ان قرائتوں کی تاریخ لکھی اور اس کام کی انجام دہی میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ قرآن کریم کی تاریخ کے حوالے سے مستشرقین کا کام اتنا وسیع ہے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر مستشرقین کی تالیفات کے بعد کسی اور مولف کی جانب سے اس موضوع پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکا۔ (1)

قرآن کی تاریخ پر کام کرنے کے حوالے سے Alphonse Mingana, Igna'c Goldzir, Joseph Schat, Harald Motzki اور John Wansbrough&John Burton کی تالیفات بھی انتہائی معروف اور قابل غور ہیں۔ ان کی کوششوں سے کئی نتائج لے گیے ہیں اور یہ نتائج، تاریخ قرآن کے حوالے سے بیان ہونے والے نظریات میں سر فہرست ہیں۔ (2)

۲۔ قرآنی ادبیات پر تحقیق اور کتب کی اشاعت

قرآنی ادبیات پر مستشرقین کا کام، زیادہ تر ایک طرح کا حاشیہ اور ذیلی کام تھا۔ اس معنی میں کہ اسلام کے معتبر منابع کا مطالعہ کرتے ہوئے بعض اوقات مستشرقین کو ان منابع کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا اور وہ ان منابع کو شائع کر دیتے یا ان پر کچھ تحقیق کر لیتے۔ اس حوالے سے Bergstrasser، Pretzl, Arthur Jeffery, Sprenger اور Fritagg کی کم نظیر سر گرمیوں کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے غاية النهاية فی طبقات القراء، ابن جزری؛ المحتسب، ابن جنی؛ المختصر فی شواذ القراءات، ابن خالویه؛ التیسر فی القراءات السبع، ابوعمرودانی؛ المقنع فی رسم مصاحف الامصار، ابوعمرودانی؛ الایضاح فی الوقف و الابتدا، ابن انباری؛ فضائل القرآن، ابو عبید قاسم بن سلام؛

المصاحف، سجستانی؛ مقدمتان فی علوم القرآن، ابن عطیه؛ المحرر الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز، ابن عطیه اندلسی؛ الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی؛ الفهرست، شیخ طوسی؛ کشف الاستار، شیخ طوسی؛ معانی القرآن، فراء اور اسرار التأویل و انوار التنزیل، بیضاوی جیسے آثار کے بارے میں تحقیقات کیں اور ان تحقیقات کو شائع بھی کیا۔ (3)

ان سرگرمیوں کا ایک اہم پہلو قرآن کی لفظی اور موضوعی معاجم کی تالیف تھا۔ البتہ یہ کام زیادہ تر خود مستشرقین کے لیے مفید تھا یا کسی حد تک اس سے بعض کم آشنا مسلمانوں کو بھی قرآنی متن کے بارے میں موثر اور مفید راہنمائی مل جاتی تھی۔ اس حوالے سے Gustav Flugel کی کتاب "نجوم الفرقان فی اطراف القرآن" جو کہ قرآنی الفاظ کی ابتدائی معجم ہے اور اسی کے ماڈل پر مرحوم فواد عبدالباقی نے "المعجم المفہرس" ترتیب دی، قابل ذکر ہے۔ اگرچہ اس تالیف میں الفاظ کی ریشہ یابی کے حوالے سے کئی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہ کام اپنی جگہ ایک قیمتی کام تھا۔ اسی طرح فرانسوی مصنف Jull La baume کی کتاب "تفصیل آیات القرآن الکریم" میں بھی کوشش کی گئی کہ قرآن کریم کی پہلی موضوعی معجم مہیا کی جائے۔ اگرچہ اس تالیف میں بھی انتہائی اہم خامیاں پائی جاتی تھیں، لیکن پھر بھی یہ تالیف اپنے زمانے کی ایک بہت قیمتی تالیف شمار ہوتی تھی۔ (4)

۳۔ قرآن کریم کا ترجمہ

استشراقی مطالعات میں قرآن کریم کا ترجمہ دو مختلف مراحل میں انجام پایا۔ قرآن کریم کے ترجمے کا پہلا مرحلہ، انیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس مرحلہ کے اکثر ترجموں میں قرآنی الفاظ کے نارسا مترادفات کی بھرمار ہے، نیز ترجموں کی زبان بھی کافی سنگین، متروک، ناقص اور ضروری استحکام سے عاری ہے۔ قرآن کریم کے ترجموں کا دوسرا مرحلہ، بیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے۔ البتہ اس مرحلہ کے ترجموں میں اس قسم کی بہت سی مشکلات دور ہوئیں اور کافی بہتر ترجمے وجود میں آئے۔ نیز اس دور میں مسلمانوں نے بھی قرآن کریم کے یورپی زبانوں میں ترجمے کیے اور کافی حد تک اچھے تراجم وجود میں آئے۔

۴۔ قرآنی مطالب پر غور و خوض

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا وسیع ترین پہلو، قرآنی مطالب و مفاہیم کے بارے میں ان کے مطالعات اور تحقیقات ہیں۔ ان مطالعات کو اپنی جگہ دو توصیفی اور تطبیقی مطالعات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ البتہ

تطبیقی مطالعات میں زیادہ تر قرآنی داستانوں کو طول تفصیل دی گئی ہے اور قرآن کی فراہم کردہ تاریخی معلومات کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مطالعات کو زیادہ پذیرائی ملی ہے اور ان مطالعات پر کافی ردّ و قدح بھی ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ان مطالعات میں ایسے مفاہیم اور مقولات کے بارے میں گفت و گو ہوئی ہے کہ جو عیسائی/ یہودی تہذیبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یقینا مستشرقین نے ان مقولات میں چونکہ عیسائی/ یہودی مفاہیم کو قرآنی مفاہیم و مطالب پر برتری دینے کی کوشش کی ہے، لہٰذا کافی مناقشات بھی وجود میں آئے ہیں۔ اس میدان میں جن مستشرقین نے قابل ذکر کام انجام دیا ہے ان میں Josef Horovitz, Adlo, Hard Gordonia, Barthelemy Saint Hialaire اور Raskaie قابل ذکر نام ہیں۔

قرآنی مطالعات کے پس پردہ مستشرقین کے اہداف و مقاصد

یہاں اس سے پہلے کہ ہم مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ اہداف اور مقاصد پر بحث کریں، اس نکتہ کی یادآوری ضروری ہے کہ کسی لکھنے یا کہنے والے کے اہداف و مقاصد پر بحث کرنے کا مطلب قطعاً یہ بھی نہیں ہے کہ پس اس نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے، غلط ہے؛ یا اس نے جو مسئلہ بھی اٹھایا ہے، وہ مسئلہ، سرے سے مسئلہ ہی نہیں ہے۔ یہاں یہ بحث چھیڑنے کا اصل ہدف یہ ہے کہ ہم مستشرقین کے کام پر نقد و تحلیل میں غلط نتائج لینے سے بچ سکیں۔ نیز ہمیں معلوم ہو سکے کہ کسی مصنف کی تصنیف پر کیا کیا عوامل اثر انداز ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقینا ہم مستشرقین کی تصنیفات کے تجزیہ و تحلیل کا کام نہ تنہا سادگی سے بلکہ منطقی اصولوں پر کر پائیں گے۔ بہر صورت، ہماری نظر میں مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ کارفرما اہداف اور مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔ استعماری محرکات

بوڑھے استعمار کے عروج کے زمانہ میں استشراق کے پودے کا پروان چڑھنا، ان دو کا آپس میں ایک ایسا پیوند ہے جسے سمجھنا کا پیچیدہ کام ہے۔ استعمار نے ایک طرف تو مستشرقین کو اسلامی مناطق اور اسلام کے علمی تہذیبی ورثہ تک مستقیم رسائی کا موقعہ فراہم کیا اور دوسری طرف ان محققین کی تحقیقات کے نتائج سے اپنی سیاست اور فیصلوں میں استفادہ کیا۔ البتہ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم ایک مستشرق کو ایک جاسوس کی نظر سے ہی دیکھیں۔ بلکہ مستشرقین نے کوشش کی کہ اپنی مستقل حیثیت قائم اور اپنا علمی

مقام محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ سرکاری مستشرقین اور اکیڈمک مستشرقین میں فرق ہے اور یہ دوسرا گروہ استعماری جذبے سے کمتر آلودہ ہے۔ (5)

یہاں ایک اور نکتہ جس کی یادآوری ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مستشرقین کے جغرافیائی جنم بھومی کے لحاظ سے بھی ان کے اس استشراقی جذبہ اور ہدف میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جرمن مستشرقین، جرمنی کے استعماری ملک نہ بن پانے کی وجہ سے کمتر سیاسی محرکات سے آلودہ ہیں۔ لیکن اس کے برعکس، برطانوی مستشرقین، برطانیہ کی استعمار گری کی وجہ سے سیاسی محرکات سے زیادہ آلودہ ہیں۔

۲۔ تبشیری محرکات

اگرچہ یورپ میں جو تبدیلیاں آئیں، ان کے سبب کلیسا کا مقام و مرتبہ گر گیا، لیکن اس کے باوجود عیسائی مشنری یورپ کی سیاست کی خدمتگذار تھی اور یورپی استعمار کلیسا کے مبلغین کی تجوریاں بھرنے میں ان کا معاون تھا۔ لہٰذا عیسائی مبلغین کو استعمار نے یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ عالم مشرق تک پہنچیں اور یہاں فعالیت کریں۔ مستشرقین کے اس گروہ کی شناخت اور ان کے محرکات کی شناخت جس میں صلیبی جنگوں کی بازگشت بھی نظر آتی ہے، استشراق کے عمل کے تجزیہ و تحلیل میں بہت مددگار ہے۔

۳۔ علمی تحقیقی محرکات

علمی تحقیقی پیاس بجھانے کے ذاتی جذبہ کے ساتھ ساتھ، یورپ کے علمی حلقوں میں تحقیق کی فضا حاکم تھی اور علم کو مختلف شعبوں میں تخصصی کر دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ استشراق کا بازار پر رونق تر ہو گیا۔ اگر ہم آخری دہائیوں کی تالیفات پر ایک مختصر سی نظر بھی دوڑائیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ آج بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو بغیر کسی مادی اجر و پاداش اور محرک کے اور بغیر اس امر پر توجہ دیے کہ مسلمانوں کو ان کی قرآنی تحقیقات کے بارے میں کچھ خبر ہے بھی یا نہیں، اسلامی نظریات کا صرف اس لیے دفاع کرتے ہیں کہ وہ اس کام کو اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ حقیقت جوئی کا محرک

مستشرقین میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے محض حقیقت جوئی کے جذبہ کے تحت استشراقی مطالعات انجام دیے ہیں۔ اس حقیقت کے اثبات کے لیے محمد اسد، Leopold Weiss اور

Maurice Bucaille وغیرہ جیسے ان مستشرقین کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈال لینا کافی ہے جو مسلمان ہوئے ہیں۔

قرآنی مطالعات میں مستشرقین کے علوم و فنون

اس نکتے سے آشنائی بہت ضروری ہے کہ مستشرقین قرآنی مطالعات میں من و عن اسلامی روش کی پیروی نہیں کرتے قرآنی مطالعات میں ان کا اپنا طریقہ کار ہے اور وہ قرآنی مطالعات میں اپنی سابقہ معلومات اور مطالعات کی مناسبت سے مختلف علوم و فنون کو استعمال میں لاتے ہیں۔ مستشرقین قرآنی مطالعات میں جن علوم سے استفادہ کرتے ہیں وہ ایسے مستقل علوم ہیں جن سے مستشرقین مختلف قرآنی موضوعات کا تجزیہ و تحلیل کرنے میں مدد لیتے ہیں۔ قرآنی مطالعات میں مستشرقین جن علوم اور جن روشوں (Methods) سے استفادہ کرتے ہیں، ان میں سے ہر علم و فن کی اپنی مخصوص فلسفی، کلامی اور علمی بنیادیں ہیں کہ جب ان علوم و فنون سے استفادہ کرتے ہوئے قرآنی مطالعات انجام دیے جائیں تو مخصوص نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان علوم و فنون سے دقیق آشنائی حاصل کر لیں جن کا سہارا لے کر مستشرقین قرآنی مطالعات انجام دیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں پر نقد و تبصرہ کا یہ ایک عمدہ رکن ہے۔ اس تناظر میں ہمیں یہاں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسے مہم ترین علوم اور کون سی اہم روشیں یا اسلوب ہیں کہ جن سے مستشرقین نہ تنہا قرآنی مطالعات میں بلکہ دیگر مقدس متون کے مطالعہ میں بھی استفادہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ان علوم اور اسالیب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ علوم

ا۔ آثار قدیمہ کا علم

1. آثار قدیمہ کے علم میں زمین کھود کر، قدیمی شواہد تک رسائی کے ذریعے اور ان کے کشف کے ذریعے تاریخی معلومات کی درستگی یا عدم درستگی کے تعین کا معیار فراہم کیا جاتا ہے۔ تاریخی مطالعات میں ہمیشہ اس علم سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ آخری دور میں اس علم نے مقدس متون کے انتقادی مطالعات میں دو فریضے انجام دیے ہیں: پہلا، قدیمی نسخوں کی دریافت کے ذریعے مقدس متون کی تصحیح اور تحقیق میں مدد؛ اور دوسرا، مقدس متون میں بیان شدہ تاریخی معلومات کی صحت اور

بطلان کے معیار کی تعیین۔ اگرچہ ابتداء میں ارباب کلیسا مقدس متون کے مطالعہ میں اس علم کے استعمال پر راضی نہ تھے، لیکن جب واضح ہو گیا کہ اس علم کے توسط سے کشف شدہ معلومات میں اور عہدین میں بیان شدہ مطالب میں کوئی خاص اختلاف نہیں پایا جاتا تو انہوں نے بھی اس علم کو خوش آمدید کہا۔ (6)

2. جہاں تک قرآن کریم کے مطالعہ میں آثار قدیمہ کے علم سے استفادہ کا تعلق ہے تو آثار قدیمہ کے علم میں قرآن کریم کے حوالے سے مطالعات، دوسری عالمی جنگ سے پہلے شروع ہوئے۔ لیکن جنگ کی وجہ سے یہ کام جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی کئی سالوں تک معطل رہا۔ بہر صورت، مستشرقین کی محدود کوششوں کے نتیجے میں قرآن کی بیان کردہ تاریخی معلومات کے بارے میں کئی انکشافات ہوئے اور ان انکشافات میں سے اکثر نے قرآن کریم کی بیان کردہ معلومات کی تائید کی۔ (7)

البتہ اس علم کی تحقیقات کی روشنی میں بعض ایسی شہادتیں بھی ملیں جو قرآن کریم کی فراہم کردہ معلومات سے ہماہنگ نہ تھیں اور یوں کئی مناقشات اور مباحث وجود میں آئیں۔ مثال کے طور پر Smith نامی ایک شخص نے ایک مقالہ میں دعوی کیا کہ آثار قدیمہ کی کاوشوں کو قدیم اسلامی مساجد میں دوسری صدی کے اختتام تک قبلہ کی تغییر کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اس مقالہ کے نتیجہ میں قرآن کریم میں تحریف کا شبہ سامنے آیا۔ (8)

۲۔ زبان شناسی

اگرچہ کافی عرصہ سے مسلمانوں میں زبان شناسی کے موضوع پر مطالعات جاری تھے لیکن جدید Linguistics نے ایک طرف قدیم اطلاعات پر نظر ثانی کرتے ہوئے اور دوسری طرف نئے موضوعات پیش کر کے مقدس متون، منجملہ قرآن کریم کی زبان کے بارے میں جدید نظریات دیے۔ یہاں تک کہ بعض مقامات پر تو جدید زبان شناسی نے مسلمان دانشوروں کے اس شعبہ میں کام کے نقائص کو بھی برطرف کیا۔ مثال کے طور پر Foriegn vocabulary of the Quran کے باب میں Arthur Jeffery اور Alphonse Mingana کی تالیفات نے ایسے کئی حقائق کو ہمعصر دانشوروں پر واضح کیا ہے

اور یوں یہ تالیفات قرآن کریم کی زبان شناسی پر مطالعات کو جاری رکھنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔(9)
اسی طرح قرآن کی زبان کی شناخت میں Teodor Noldeke کے قائم کردہ معیار نے بھی اسے لہجوں کی محدودیت سے رہائی بخشی اور قرآن کی زبان کے بلند و بالا اور عالی مقام کا خوب تعارف کروایا۔ تاریخی زبانشناسی اور معنی شناسی Historical linguistics & Hermeneutics کی مہارتوں کا سہارا لیتے ہوئے Toshihiko Izutsu جیسے دانشور، قرآن کے مطالب کی تحلیل میں ایک نئی روش استعمال کرنے میں کامیاب ہوئے۔(10)
قرآن کی زبان کے مختلف لہجوں کی تشخیص میں بھی مستشرقین کی کوششوں کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مقدس متون کی زبان کے افسانوی یا حقیقی ہونے کے بارے میں جب عیسائی الہیات کی مباحث نے وسعت پائی تو یہ مباحث جہان اسلام میں بھی چھڑ گئیں اور کئی مناقشات سامنے آئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ خلف اللہ جیسے مصنفین نے بھی یورپی دانشوروں کی بعض مباحث سے متاثر ہو کر یہ دعوی کیا ہو کہ قرآن کی زبان، بالخصوص قرآنی قصوں کی زبان، افسانوی زبان ہے۔(11) کیونکہ خلف اللہ سے پہلے بعض یورپیوں نے یہ دعوی کیا تھا کہ قرآن کی زبان افسانوی زبان ہے کیونکہ قرآن کی بعض داستانیں سابقہ کسی مقدس متن میں بیان نہیں ہوئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن میں مکمل طور پر ایک ادبی روش کے ذریعے خارجی حقائق کو آرائش بخشی گئی ہے۔
البتہ ان تالیفات میں بعض ایسے نظریات بھی پیش کیے گئے ہیں کہ جنہیں کبھی بھی علمی اعتبار حاصل نہیں ہو سکا؛ یہاں تک کہ خود یورپ میں بھی ان باتوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ حال ہی میں ایک شخص نے "Christoph Luxenberg" کے مستعار نام سے "قرآن کی آرامی سریانی قرائت " نامی ایک کتاب چھاپی ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ اس نے بھی "Christoph Clomb" کی طرح کوئی بہت بڑے انکشاف کیا ہے۔ یہ شخص Folouz جیسے افراد کے فراموش شدہ نظریات کی روشنی میں دعوی کرتا ہے کہ: پہلے تو قرآن کی عربی زبان وہ نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ قرآن جس تہذیب میں نازل ہوا، وہ سریانی تھی۔ لہٰذا قرآن کو سریانی تہذیب اور زبان کے تناظر میں نئے سرے سے قرائت کیا جائے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے یہ کام تفسیر کے کام میں عقدہ کشائی کرے۔(12)

۳۔ نسخہ شناسی اور خط شناسی

مقدس متون کے بارے میں مستشرقین کا ایک وہم و گمان یہ رہا ہے کہ ہو سکتا ہے رسم الخط کی تبدیلیوں، قدیمی متون کے گوناگون نسخوں، گذر ایام اور زمانے کے حوادث نے ہمیں مقدس کتابوں کے اصلی متون تک رسائی سے محروم کر دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سب زبانوں اور تہذیبوں میں نسخہ شناسی اور خط شناسی کی مہارت نے متون کی تصحیح میں مدد کی ہے۔ ان مہارتوں کی روشنی میں بعض اوقات یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ مثال کے طور پر فلاں متن کا فلاں حصہ اصلی اور فلاں غیر اصلی ہے۔ اس روش میں انہی اصولوں کی روشنی میں بعض اوقات ایک نسخے کو دوسرے نسخہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ فرضیہ قائم کیا جاتا ہے کہ مثال کے طور پر اگر فلاں کلمہ کی بجائے، فلاں کلمہ ہوتا تو یہ کلمہ معنی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

یورپیوں نے غیر اسلامی مقدس متون کی تصحیح میں تو یہ روش اپنائی ہی لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ان کے دامن گیر ہوا کہ قرآن کریم کے مقدس متن پر بھی یہ تجربہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار ایسی کوششیں انجام بھی دیں۔ (13) چونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن بھی ایک قدیمی کتاب ہے جس کا متن چودہ سو سال پرانا ہے۔ البتہ قرآن کریم کے باب میں اس کام کی بہت مخالفت ہوئی کیونکہ اس روش میں قرآن کریم کی ماہیت سے غفلت برتی گئی۔ درحقیقت، قرآن کریم اور دیگر مقدس متون میں فرق ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم متواتر روایت کے ذریعے نقل ہوا ہے اور قرآن کا متواتر نقل، اس کے متن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے متن کے حوالے سے کوئی بھی اصلاحی تجویز علمی معیار کے مطابق نہیں ہے۔

۴۔ ہرمینیوٹک (Hermeneutic)

ماضی میں ہرمینیوٹک سے مراد، کتاب مقدس کی تفسیر کا علم تھا۔ لیکن بعد میں یہ کلمہ ہر متن کی تفسیر کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ قرآن کریم کی تفسیر کے باب میں عمدہ ہرمینیوٹک روشیں عبارت ہیں:

ا۔ سنتی ہرمینوٹک (Traditional Hermeneutic): اس روش کے پیش گام Schleiermacher اور Wilhelm Dilthey ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ: اولاً، ہر متن کا ایک حتمی معنی ہوتا ہے اور یہ معنی قابل دسترسی نہیں ہوتا۔ ثانیاً: متن اکیلے میں مؤلف کی مراد تک نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ زبان اور کلمات،

مؤلف کی سوچ اور عالم واقع کے درمیان واسطے اور (رکاوٹ) بن جاتے ہیں۔ بنابرایں، کلمات، فکر کے عینی پہلو کی ترجمانی کرتے ہیں اور اندیشہ اس کے ذہنی پہلو کی۔ پس مؤلف کا اصلی مقصد سمجھنے کے لیے متن کے بارے میں ادبی مطالعات بھی انجام دینا چاہیں اور اس متن کی تخلیق کے تاریخی پس منظر اور اس کے مؤلف کی خصوصیات و احوال کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ مستشرقین نے یہ روش عہدین اور بالخصوص انجیل کے بارے میں تو اپنائی اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کے بارے میں بھی یہی روش اپنائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اپنے مطالعات میں قرآن کی تخلیق میں پیغمبر اکرم (ص) کے وجود کو دخیل سمجھتے ہیں۔ مستشرقین اب میں "ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیك وحیه..." جیسی آیات کو بطور شاہد لاتے ہیں۔ (14)

۲۔ تأویل گرایانہ ہرمینیوٹک: اس نظریہ کے پیش گام، Hans-Georg Gadamer کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر مفسر کے اپنے مفروضات اس کی تفسیر کی نوع معین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود متن سے کوئی حتمی معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ: اولاً، مفروضات میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ اور ثانیاً، انسان کا متن سے رابطہ دو طرفہ اور ڈیالکٹک ہے، نہ کہ یکطرفہ اور اوپر سے نیچے۔ بنابرایں، مفسر کا کام تو بس متن سے پیغام اخذ کرنا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو الفاظ اپنی اصالت کھو بیٹھتے ہیں۔ عیسائی متکلمین نے عہدین کے مطالعہ اور تفسیر میں اس روش کو اس لیے اپنایا تاکہ ان متون میں موجود اخلاقی نزاکتوں اور تاریخی تناقضات سے بچ سکیں اور ان متون کو درپیش چیلنجز سے نجات دلا سکیں۔

بعض مستشرقین قرآن کا الٰہی کلام ہونا ثابت کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ قرآن کی تاریخی مشکلات سے نجات پانے کے لیے اسی روش اور طور طریقوں کو استعمال کریں جو عہدین کی تفسیر میں استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے نظریہ سے ہاتھ اٹھالیں۔ کیونکہ اولاً، مقدس متون، زبانی (linguistic) آثار ہیں؛ ثانیاً، زبان بھی تو ایک بشری حقیقت اور انسانی تجربہ ہے۔ اور ثالثاً، مقدس متون کا ہدف، مخاطبین کو گمراہی سے نجات دلانا ہے اور جو چیز جاودانی ہے، وہ پیغام ہے نہ کہ الفاظ۔ (15)

۲۔اسالیب

جس طرح کہ مستشرقین اپنے قرآنی مطالعات میں مذکورہ بالا علوم کا سہارا لیتے ہیں، اسی طرح اس حوالے سے انہوں نے کئی اسالیب (Methods) کا بھی سہارا لیا ہے۔ ذیل میں ان روشوں اور اسالیب میں سے بعض کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

ا۔ پوزیٹیوزم (Positivism)

وجودی فلسفے کے پیروکار فلاسفرز کا عقیدہ یہ ہے کہ شناخت کا تنہا سرچشمہ، حس اور تجربہ ہے۔ اور جن معلومات میں بھی یہ اصول کارفرمانہ ہو، وہ فاقد معنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مطابق اکثر کلی باتیں اور دینی تعلیمات بے معنی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں دیکھا، چھوا اور لیبارٹری میں آزمایا نہیں جاسکتا۔ جہاں تک پوزیٹیوزم اور قرآن مطالعات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے اس فن سے قرآنی تعلیمات اور قرآنی علوم دونوں میں استفادہ کیا گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی تائید یا تردید کے حوالے سے اس فن کو بروئے کار لانے کا نتیجہ، قرآن کریم کی افراطی سائنسی تفاسیر ہیں؛ ایسی تفاسیر کہ جن میں اکثر ماوراء الطبیعی حقائق کا انکار کیا گیا ہے۔ اسی تناظر میں بعض مستشرقین کا کہتے ہیں کہ قرآن نے جہاں کہیں فرشتوں، جن اور شیطان جیسے ماوراء الطبیعی موجودات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہاں قرآن ان مفاہیم کی تائید نہیں کرتا بلکہ یہ مفاہیم چونکہ اعراب جاہلی کی تہذیب سے استعمال ہوتے تھے لہٰذا عربوں کی تہذیب کے پیش نظر یہ مفاہیم انہیں سمجھانے کے لیے تفہیم کی غرض سے لے لیے گئے ہیں۔

قرآنی علوم میں بھی مستشرقین نے تمام کلی احکام کا انکار کیا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان احکام کے معنی دار ہونے کے لیے ایسے جزوی احکام سے استفادہ کرنا چاہیے جن پر تجربہ کیا جاسکے۔ (16)

تاریخی مطالعات میں بھی مستشرقین فقط ان تاریخی نوشتہ جات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو قابل تجربہ و احساس ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی مرمت شدہ تاریخی سند وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ تاریخی مرمت کاری کی روش

یہ فن جس سے عام طور پر تاریخی مطالعات میں استفادہ کیا جاتا ہے، معتقد ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ جو منابع ہماری دسترس میں ہوتے ہیں وہی بہترین اور اصیل ترین منابع ہوں؛ بلکہ ان منابع کے مقابلے میں کہ جو حکومتوں اور اکثریت کے تائید یافتہ ہوتے ہیں، کچھ ایسے تاریخی حقائق بھی پائے جاتے ہیں

جنہیں یا کسی نے تحریر نہیں کیا ہوتا یا کچھ لوگ اپنے خاص اغراض و مقاصد کے تحت انہیں تحریر ہونے نہیں دیتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ لکھے گئے یہی نوشتہ جات ہی مہم تر اور اصیل تر منابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس فن کے ماننے والے مکتوب و نا مکتوب منابع کی نسبت آثار قدیمہ وغیرہ کی روشنی میں تاریخی کشف و شہود کی اساس پر مرمت شدہ منابع پر کہیں زیادہ یقین ہے۔

بنابرایں، ممکن ہے تاریخی مشہورات کے مقابلے میں ایسے حقایق بھی پائے جاتے ہوں جو تاریخی حقائق کو نظم بخشیں۔ (17) اس طرح کے مطالعہ کا نمونہ Ignacio Olague کی کتاب "اسلامی تمدن کے نشیب و فراز کی سات صدیاں" میں پایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر دانشمندوں نے اس روش کو مثبت انداز میں لیا ہے لیکن اگر یہ روش ٹھیک طرح سے استعمال نہ کی جائے اور اس کے اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے تو غیر علمی نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر مستشرقین کی قرآن کے بارے میں اسی روش پر مبنی تاریخی رپورٹس میں کئی غیر مناسب اور غیر منطقی حدسی و گمان دیکھے جاسکتے ہیں۔

Richard Bell کے گمان کے مطابق قرآن کریم کی غیر مربوط آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ قرار پانا، تنہا ایک کتبی غلطی ہے اور وہ یہ کہ آیات کے نزول کے بعد پیغمبر اکرم (ص) معین فرمادیتے تھے کہ ان آیات کو کس سورہ میں کہاں درج کیا جائے لیکن چونکہ بعض اوقات کاتب بعد میں نازل ہونے والی آیات کو پہلے سے لکھی آیات کے درمیان نہیں لکھ سکتا تھا (کیونکہ جگہ نہ ہوتی تھی) تو انہیں کاغذ کی پشت پر لکھ دیتا۔ لیکن بعد میں آنے والے نسخہ برداروں کو اس امر کا خیال نہ رہتا۔ اور جب آخر پر انہیں یہ خیال آتا تو وہ ان آیات کو بغیر کسی مناسبت کے کسی نہ کسی جگہ لکھ دیتے۔ (18) اسی طرح حروف مقطعات کے بارے میں اپنی ذہنی مرمت کاری کی بنیاد پر Noldeke کا عقیدہ ہے کہ یہ حروف، ان صحابہ کے نام ظاہر کرنے کا رمز ہیں جن کے مصاحف میں یہ سورتیں استثنائی طور پر موجود تھیں۔ البتہ بعد میں Noldeke نے Loth اور Bauer کے نظریات کی روشنی میں اپنے اس غیر علمی نظریہ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے باوجود اس کے Pretzl جیسے شاگردوں نے اپنے استاد کے سابقہ نظریہ پر ہی اصرار کیا۔ (19)

۳۔ ادبی معیار پر قرآن کے مطالعہ کی روش

سنتی (Traditional) معیار کے مقابلے میں ادبی (Literal) معیار پر قرآن کے مطالعہ کی روش کا دعوی یہ ہے کہ کسی بھی متن کا مطالعہ، فقط متن کو محور بنا کر کرنا چاہیے اور اس میں "سنت" کو دخالت دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس روش میں "سنت" کا مطلب متن سے چپکے وہ پیوند ہیں جن کی پیدائش میں

قاری کی سابقہ معلومات، روایات اور افسانوں اور داستانوں کی تاریخ کے بارے میں مفروضات، نیز تہذیبی اوضاع واحوال دخیل ہوتے ہیں۔ ایسے عوامل کسی بھی متن کے مطالعہ کے دوران ہمیشہ قاری کے ذہن کو ایک خاص سمت میں حتی کہ متن کے مخالف سمت میں کھینچتے ہیں۔ اس کا واضح نمونہ سورہ یوسف (ع) کی آیت ۵۳ ہے کہ جس کے بارے میں ہمیشہ یہ سمجھا جاتا رہا کہ اس آیت میں حضرت یوسف کی باتوں کا ایک اقتباس بیان ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس کے بارے میں گوناگوں کلامی بحثیں جاری رہیں۔ حالانکہ ایک ادبی مطالعہ کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے یہ کلام، یوسف کا کلام نہیں، بلکہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا کلام ہے۔ اور جب ایسا ہے تو ان کلامی بحثوں کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جو اس آیت کے ضمن میں کی گئی ہیں۔ اس روش کے مقابلے میں قدیم روش کے قائلین کا دعوی ہے کہ اگر "سنتوں" کا خیال نہ رکھا جائے تو ممکن ہے متن سے مؤلف کے مقصود کے بالکل برعکس مفہوم نکال لیا جائے۔ جیسا کہ متشابہ آیات، نسخ اور حتی کہ آیات الاحکام کے باب میں ایسے اشکالات پیش آئے ہیں۔

مستشرقین میں سے جو لوگ ادبی روش سے قرآن کے مطالعہ کے پیروکار ہیں ان میں سے قرآن کریم کے جرمن زبان میں مترجم Rudi Paret اور روسی زبان میں قرآن کریم کے مترجم I. Yu. Krachkovski قابل ذکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے ترجمہ میں کسی بھی تفسیر کا سہارا نہیں لیا۔ (20)

روش سے استفادہ کرتے ہوئے آخری سالوں میں چھپنے والی مہم ترین کتاب "قرآن میں بیان شدہ دینی مفاہیم کا ادبی ڈھانچہ" The Structure of Religious Concepts in Quran ہے۔ مسلمانوں میں سے امین الخولی، محمد خلف اللہ، ابوزید اور بنت الشاطی جیسے مصنفین نے یہ روش اپنائی جن کی تألیفات پر جہان اسلام میں کئی بحثیں چھڑیں۔ (21)

اس پورے منظر نامے میں Toshihiko Izutsu جیسے لوگ کہ جنہیں مذکورہ بالا دونوں روشوں میں پائی جانے والی خطاوں اور نواقص کا ادراک تھا، انہوں نے تاریخی زبانشناسی کے نظریہ اور معنی شناسی کی مہارت سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جدید روش کے مطابق قرآن کے ادبی مطالعہ کا آغاز کیا اور "قرآن میں خدا اور انسان" اور "قرآن مجید میں دینی اخلاقی مفاہیم" جیسی قیمتی تالیفات چھوڑیں۔ اس روش میں متن سے چپکے تمام غیر زبانی (Non-literal) قرینوں سے استفادہ ترک کر دیا گیا اور نتیجہ یہ کہ ایزتسو کے مطابق غیر زبانی پیوند ایسے پیوند ہیں جو متن کی پیدائش کے بعد وجود پاتے ہیں۔ اس کے مطابق زبانی

پیوند اور غیر زبانی پیوند کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جیو گرافی، سوشیالوجی نیز ان تاریخی مطالعات سے بھی استفادہ کیا جائے جو متن کی پیدائش کے ہم عصر تھے۔

۴۔ تاریخ نجات کے نظریہ کی بنیاد پر قرآن کا مطالعہ

تاریخ نجات (Salvation History) کی اصطلاح John Wansbrouh کے توسط سے اسلامی منابع، منجملہ قرآن کے بارے میں استعمال ہوئی ہے۔ یہ ایک عیسائی اصطلاح ہے۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی دینی متن اس وقت تک تشکیل نہیں پاتا جب تک ایک امت کی تشکیل نہ پائے اور اس امت کو اس متن کی ضرورت پیش نہ آ جائے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر کسی بھی دین کے پاس ابتداء میں کوئی متن نہیں تھا بلکہ ان کی بنیاد زبانی کلامی پیغاموں پر رکھی گئی۔

جب ان ادیان کے پیروکار وجود میں آتے ہیں تو ایک طولانی عمل کے دروان ایک امت تشکیل پاتی ہے اور نتیجہ میں اس امت کو اپنے عقائد کو نظامند کرنے اور اپنے دینی احکام کو مرتب کرنے کی نوبت آتی ہے۔ تب جا کر زوائد اور غیر رسمی نظریات کو حذف کر کے ایک باقاعدہ متن سب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور سب کے لیے اس ایک متن کی پیروی لازم ٹھہرائی جاتی ہے۔ بنابرایں، اس مرحلہ پر کسی دین کے جو منابع سامنے آتے ہیں ان میں سے کوئی ایک منبع بھی اس دین کی ابتداء سے نہیں لیا جاتا بلکہ تنہا یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا یہ منابع اسی زمانے میں لکھے گئے ہیں جس میں وہ دین تشکیل پا رہا تھا۔

اس تناظر میں قرآن کریم کے حوالے سے "ونزبرو" کا دعوی یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری سے قبل قرآن کا بھی کوئی متن موجود نہ تھا؛ کیونکہ تنہا تیسری صدی ہجری ہی میں اس دور میں فقہی منابع میں ابتدائی قرآنی حوالہ جات نظر آتے ہیں اور اس سے پہلے کہیں کوئی قرآنی حوالہ نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازایں، ہمارے پاس قرآن کا اس دور سے قبل کا کوئی متن موجود بھی نہیں ہے۔ (22)

حوالہ جات

1۔ نمونہ کے طور پر اسلامی ممالک میں تاریخ قرآن پر لکھی گئی آخری کتب کا Noldeke کی لکھی تاریخ قرآن سے مقایسہ فرمائیں۔

2۔ یورپی دانشوروں کے نظریات سے آشنائی کے لیے درج ذیل منابع کا مطالعہ فرمائیں:

A) Approaches to the history of the Inter pretation of the Quran, A. Rippin.

B) Introdution of the Quran, R. Bell.- collection of the Quran ,J. Burton.

C) Quranic studies, J. Wansbrough.

3۔ المستشرقون والدراسات القرآنیۃ، محمد حسین علی الصغیر

4۔ مذکورہ شخصیات اور ان کی تالیفات دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: رویکرد خاورشناسان بہ قرآن، ص ۸۲ تا ۸۷۔

5.۔ Muslim-Christian Encounters; Preceptions and Misperception, p. 179.180

6۔ دایرۃ المعارف کتاب مقدس، ص ۷۸۔ Holy Bible Encyclopedia, p. 78

7.۔ Encyclopaedia of Quran, J.D.M.C.Auliffe, V 1, P.D 147-156

8۔ رویکرد خاورشناسان بہ قرآن، ص ۱۴۳

9۔ اس مطلب کی تفصیل جاننے کے لیے Arthur jeffery کی کتاب Foreign Vocabulary of the Quran اور فریدون بدرہ‌ای کی کتاب: قرآن میں موثر کلمات، ملاحظہ فرمایئے۔ نیز دیکھیے آلفونس مینگانا کا مقالہ: قرآن پر سریانی زبان کی تاثیر: Mingana; Syriac Influence on the Style of the Kur'an.

10۔ اس Method کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

Arthur jeffery; God and Man in the Quran; Religious Concepts in Quran & the Structure of meaning in Ethics.

11۔ خلف اللہ کے نظریے کا بلاواسطہ مطالعہ کرنے کے لیے اس کی کتاب الفن القصصی فی القرآن، کا مطالعہ کیجئے۔ نیز اس نظریہ پر مختصر نقد محمد ہادی معرفت کی کتاب شبہات وردود میں ملاحظہ فرمایئے۔

12۔ لوکسنبرگ کے نظریات اور ان کے نقد سے مزید آگاہی کے لیے وہ دیکھیے: نشر دانش، ش 107، ص ۴۵ تا ۵۶

13۔ مطالعات قرآنی در غرب، مرتضی کریمی نیا۔

14۔اس حوالے سے تورآندرانہ، گیب و درمنگام کی وحی کے بارے میں نفسیاتی تحلیلیں قابل ذکر ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رویکرد خاورشناسان بہ قرآن، ص ۱۶۶تا۱۶۹۔ نیز دیکھیے:

Literary structures of religious meaning in the Quran, I .Bullata

15۔Muslim-Christian Encounters; Preceptions and Misperception, p. 46

16۔مذاہب التفسیر الاسلامی، جولد تسہر، ترجمہ عبدالحلیم نجار، قاہرہ، ص، ۱۶۵

17۔آراء واندیشہ ہای محمد آرکون، محمد مہدی خلجی، ص۸

18۔Introduction to the Quran, R. Bell, Edinbrough university, 1963, P. 87

19۔Encylopaedia of Islam; V,7 p. 413

20۔اس Method کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ تفسیری، ادبی اور زبان شناسی کے منابع سے استفادہ کرتے ہوئے ایک Interdesciplaniory مطالعہ انجام دیا جائے۔ان منابع میں سے بعض یہ ہیں:

A) Historical Linguistics; Arlature;

B) Izusto; God and Man in Quran.

C) Izusto;Literary structures of religious meaning in Quran.

21۔نقد الخطاب الاستشراقی، ساسی محمود سالم الحاج، دار المدار الاسلامی، بنغازی، لیبیا، ۲۰۰۱ میلادی، ج۱، ص ۳۲۵۔

22۔گلستان قرآن، ش ۱۵۸؛ مطالعات قرآنی در غرب، کریمی نیا۔

نہج البلاغہ کی روشنی میں علوم قرآن کا مطالعہ

روشن علی *

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اُمت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے دو گرانقدر چیزوں کو چھوڑ گئے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے آپؐ کے اہل بیت اطہارؑ ہیں۔ جو ان کے ساتھ تمسک رکھے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔ قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے، جو ہر دور کے تشنگان حق کو ان کے ظرف و اہلیت کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اس کی راہنمائی ایسی جامع، ہمہ گیر اور مکمل ہے کہ اگر اس کا آب زلال اس کے حقیقی سرچشمہ سے حاصل کیا جائے تو پھر کسی اور قطرہ آب کی ہرگز احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اس مقالے میں علوم قرآن کو مختصر اور جامع انداز میں اہل بیتؑ کی زبانی پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام علوم قرآن کو مختصر مگر جامع انداز میں یوں پیش کرتے ہیں: آپؑ نے تمہارے درمیان تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن کریم) کو چھوڑا ہے، جس کے حلال و حرام، فرائض و فضائل، ناسخ و منسوخ، رخصت و عزیمت، خاص و عام، عبرت و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ سب کو واضح کر دیا تھا۔ مجمل کی تفسیر کر دی تھی، گتھیوں کو سلجھا دیا تھا۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے اور بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے۔ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے۔ یا سنت میں ان کے وجوب کا ذکر ہوا ہے۔ جب کہ کتاب میں ترک کرنے کی آزادی کا ذکر تھا۔ بعض احکام ایک وقت میں واجب ہوئے ہیں اور مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں، کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔

کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔ امام علیؑ نے اپنے اس مختصر سے کلام میں علوم قرآن کے تقریباً تمام شعبوں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ آج علوم قرآن کے ماہرین نے نہج البلاغہ کے اس خطبے میں ذکر شدہ مطالب کو علوم قرآن کی اہم اصطلاحات قرار دیا ہے۔ اس مقالے میں انہی قرآنی اصطلاحات کی خود قرآن کی روشنی میں وضاحت کی جائے گی۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر وفاقی نظامت تعلیمات، اسلام آباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی ہدایت کے لیے اپنی طرف سے کتابیں اور صحائف وقتاً فوقتاً نازل کرتا رہا۔ یہ رشد ہدایت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے آپ (ص) پر قرآن کریم نازل کیا، جو عربی زبان میں ہے۔ آپ (ص) لوگوں کو تاریکی اور گمراہی سے نکال کر نور اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ آپ (ص) اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اُمت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے دو گرانقدر چیزوں کو چھوڑ گئے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب جو قرآن کریم ہے اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہارؑ ہیں۔ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جو ان کے ساتھ تمسک رکھے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔ قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے، جو ہر دور کے تشنگان حق کو ان کے ظرف و اہلیت کے مطابق سیراب کرتا ہے۔

انسانوں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر اسرار الٰہی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس کی راہنمائی ایسی جامع، ہمہ گیر اور مکمل ہے کہ اگر اس کا آب زلال اس کے حقیقی سرچشمہ سے حاصل کیا جائے تو پھر کسی اور قطرہ آب کی ہرگز احتیاج باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا میں نے اپنی رشد و ہدایت کے لیے ضروری سمجھا کہ علوم قرآن کو مختصر اور جامع انداز میں اہل بیتؑ کی زبانی پیش کروں تو، میں نے نہج البلاغہ کا انتخاب کیا، جس میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جو علوم القرآن اور احکام القرآن کا مختصر تعارف کرایا ہے اس کو پیش کروں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّه اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ وَ تَفَقَّهُوا فِيهِ فَاِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَاسْتَشْفِعُوا بِنُورِهِ فَاِنَّهُ شِفَآءُ الصُّدُورِ وَ اَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَاِنَّه اَحْسَنُ الْقَصَصِ" (1)

یعنی: "قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اس میں غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور سے شفاء حاصل کرو کہ یہ سینوں میں چھپی ہوئی بیماریوں کے لیے شفا ہے اس کی بہترین تلاوت کرو کہ اس کے قصے زیادہ فائدہ مند ہیں۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"وَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَاِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِينُ وَالنُّورُ الْمُبِينُ وَالشِّفَآءُ النَّافِعِ وَ الرِّيُّ النَّاقِعُ وَالعِصْمَةُ لِلْمُتَمَسِّكِ وَالنَّجَاةُ لِلْمُتَعَلِّقِ" (2)

یعنی : " تم اپنے رب کی کتاب پر عمل کرو ، وہ ایک مضبوط رسی ہے ، ایک روشن نور ہے، ایک نفع بخش شفاء ہے ، ایک پیاس بجھانے والی سیرابی ہے، اس سے متمسک رہنے والوں کے لیے سامان حفاظت ہے، اور وابستہ رہنے والوں کے لیے نجات ہے۔"

امیر المومنین علی علیہ السلام علوم قرآن کو مختصر مگر جامع انداز میں یوں پیش کرتے ہیں:

"کِتَابَ رَبِّکُمْ فِیْکُمْ، مُبَیِّناً حَلاَلَہُ وَحَرَامَہُ، وَفَرَائِضَہُ وَفَضَائِلَہُ، وَنَاسِخَہُ وَمَنْسوخَہُ، وَرُخَصَہُ وَعَزَائِمَہُ، وَخَاصَّہُ وَعَامَّہُ، وَعِبَرَہُ وَاَمْثَالَہُ، وَمُرْسَلَہُ وَمَحْدُودَہُ، وَمُحْکَمَہُ وَمُتَشَابِھَہُ۔ مُفَسِّراً مُجْمَلَہُ، وَمُبَیِّناً غَوَامِضَہُ، بَیْنَ مَأخُوذٍ مِیثَاقٍ فِی عِلْمِہِ، وَمُوَسَّعٍ عَلَی الْعِبَادِ فِی جَھْلِہِ، وَبَیْنَ مُثْبَتٍ فِی الْکِتَابِ فَرْضُہُ، وَمَعْلُومٍ فِی السُّنَّۃِ نَسْخُہُ، وَوَاجِبٍ فِی السُّنَّۃِ اَخْذُہُ، وَمُرَخَّصٍ فِی الْکِتَابِ تَرْکُہُ، وَبَیْنَ وَاجِبٍ بِوَقْتِہِ، وَزَائِلٍ فِی مُسْتَقْبَلِہِ، وَمُبَایَنٌ بَیْنَ مَحَارِمِہِ: مِنْ کَبِیرٍ اَوْعَدَ عَلَیْہِ نِیرَانَہُ، اَوْصَغِیرٍ اَوْصَدَ لَہُ غُفْرَانَہُ، وَبَیْنَ مَقْبُولٍ فِی اَدْنَاہُ، مُوَسَّعٍ فِی اَقْصَاہُ" (3)

یعنی : " آپؑ نے تمہارے درمیان تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن کریم) کو چھوڑا ہے، جس کے حلال و حرام ، فرائض و فضائل ، ناسخ و منسوخ ، رخصت و عزیمت ، خاص و عام ، عبرت و امثال ، مطلق و مقید ، محکم و متشابہ سب کو واضح کر دیا تھا۔ مجمل کی تفسیر کر دی تھی ، گتھیوں کو سلجھا دیا تھا۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے اور بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے ۔ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے ۔ یا سنت میں ان کے وجوب کا ذکر ہوا ہے ۔ جب کہ کتاب میں ترک کرنے کی آزادی کا ذکر تھا۔ بعض احکام ایک وقت میں واجب ہوئے ہیں اور مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں ۔ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں، کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔"

تجزیہ

نہج البلاغہ کے اس خطبہ سے درج ذیل علوم القرآن کے اقسام واضح ہوتے ہیں:

۱۔ حلال و حرام

حلال : تمام وہ کام جن کو انجام دینا جائز ہے۔

حرام : تمام وہ کام جن کو انجام دینا حرام اور گناہ۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں اس قرآن کریم میں حلال کا ذکر بھی موجود ہے اور حرام کا بھی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (4)

یعنی : " اللہ تعالی نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔"

۲۔ فرائض و فضائل

فرائض : تمام وہ کام جن کو انجام دینا فرض ہے۔

فضائل : تمام وہ کام جن کو انجام دینا مستحب ہے۔

قرآن کریم میں فرائض بھی موجود ہیں اور فضائل یعنی مستحبات بھی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں فرائض بھی موجود ہیں جیسے نماز ، روزہ ، حج ، زکوۃ وغیر کا ذکر ہے۔ اسی طرح مستحبات کا بھی ذکر ہے، مثلاً " فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَاذْكُرُواْ اللّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا " یعنی : " اس کے بعد جب یہ نماز مکمل ہو جائے تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے تو با قاعدہ نماز قائم کرو کیونکہ نماز مومنوں پر ایک مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔" (5)

اس آیت کریمہ سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ فرض نماز کے بعد اللہ تعالی کی یاد مستحبات میں شامل ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں فرائض اور مستحبات دونوں کا ذکر موجود ہے۔ ان دونوں میں احکام خمسہ کا ذکر موجود ہے کیونکہ پہلے شِق میں حلال جس میں مباح اور مکروہ بھی شامل ہے، دوسرے حرام کا حکم ہے۔ دوسرے شک میں فرائض کا اور مستحبات کا ذکر ہے اسی طرح ان دونوں شکوں میں پانچوں احکام جنہیں احکام خمسہ (یعنی فرائض، مستحبات، مباح، مکروہات اور حرام) کہا جاتا ہے اور یہی احکام ہیں جن پر فقہ اسلامی کا دار و مدار ہے۔

۳۔ ناسخ و منسوخ

ناسخ و منسوخ : اس سے مراد وہ حکم ہے جو کسی ثابت حکم کو نص کے ذریعے بر طرف کر دے، بر طرف کرنے والے حکم کو ناسخ کہتے ہیں اور بر طرف ہونے والے کو منسوخ کہتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس قرآن کریم میں ناسخ اور منسوخ بھی موجود ہیں۔ ناسخ کی مثال درج ذیل آیت کریمہ میں موجود ہے:

" وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً فَإِذا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِيما فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِما تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" (6)

یعنی: " اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اپنے بارے میں جو فیصلہ کریں اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

منسوخ کی مثال

" وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيَ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ" (7)

یعنی: " اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان و نفقہ سے) بہرمند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود گھر نکل جائیں تو دستور کے دائرے میں رہ کر وہ اپنے لیے جو فیصلہ کرتی ہیں تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

۴۔ رخصت و عزیمت

رخص: رخص سے مراد وہ احکام ہیں جن کی مخالفت کی اجازت ہے اور انہیں ترک کر دینا جائز ہوتا ہے بشرطیکہ خاص حالات میں ایسی مخالفت کے اسباب موجود ہوں، جیسے مجبوری کی حالت میں مردار کے کھانے کی اجازت ہے۔

عزیمت: عزائم سے مراد وہ احکام ہیں جن کی مخالفت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، جیسے توحید اور دیگر اعتقادات کا اقرار وغیرہ۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے رخص اور عزائم کو واضح کر دیا تھا۔

قرآن کریم کی رخصت مثال:

" إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (8)

یعنی: " اس نے تمہارے اوپر مردار، خون، سوئر کا گوشت اور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے، اس کو حرام قرار دیا ہے پھر بھی اگر کوئی مجبور و مضطر ہو جائے اور حرام کا طلبگار اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔

عزیمت کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے

" وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا" (9)

یعنی: "اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک مت کرنا۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

" فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" (10)

یعنی: " جان لو کہ اللہ تعالی کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔"

۵۔ خاص و عام

عام و خاص: عام سے مراد وہ لفظ اور موضوع ہے جو اپنے تمام اجزاء پر یا جزئیات پر یکساں بولا جائے، جبکہ خاص اس کے برعکس ہے۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے عام و خاص کو بیان کیا ہے۔

عام کی مثال:

" وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ" (11)

یعنی: " نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔"

"وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" (12)

خاص کی مثال:

" وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ" (13)

یعنی: " شہر کے ایک حصے سے ایک شخص آیا۔"

اسی ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

" يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ " (14)

یعنی: " اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عنایت کی ہیں اور میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت عطا کی ہے۔"

اس آیت میں لفظ عام ہے لیکن معنی خاص ہے اس لیے کہ انہیں صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر بعض مخصوص چیزوں کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی۔

۶۔ عبرت و امثال

عبرت: ایسی آیات جن سے انسانوں کو درس عبرت حاصل ہو۔

امثال: ایسی آیات جن میں انسانوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ اس قرآن کریم میں عبر و امثال کا ذکر موجود ہے۔

لفظ عبر، عبرت کی جمع ہے، جو عبور سے لیا گیا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: جسم کا ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا۔ اس کا اصطلاحی معنی ہے: مختلف اسباب میں سے کسی ایک سبب کے ذریعے انسانی ذہن کا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا۔ جیسے انسان کسی مصیبت اور غم زدہ انسان کو دیکھ کر فوراً اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ایسی مصیبتیں مجھ پر بھی نازل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس طرح اس انسان میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں فرعون کے انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ کیونکر دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوا ہے۔ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے، جن کے دل میں خوف خدا ہے اور ان پر شقاوت، سنگدلی اور قساوت کے پردے نہیں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

" فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى " (15)

یعنی: " پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔"

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تم لوگ بھی اسی فرعون کے عبرتناک واقعے اور اس کی عبرتناک سزا سے سبق سیکھو اور ایک ہی اللہ کے خالص بندے بن جائیں ورنہ تمہارا بھی انجام اس فرعون جیسا ہو گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ انسان جن کے دلوں میں ذرا سا خوف خدا ہو گا تو وہ راہ راست پر آجائیں گے اور اپنی بد اعمالیاں ترک کر دیں گے، کیونکہ انہوں اپنی آنکھوں کے سامنے اللہ کے ایک نافرمان ظالم اور جابر شخص کا انجام دیکھ لیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی صنعت اور قدرت کے آثار کو دیکھ کر ذہن میں صانع اور قادر کے وجود اور اس کی صفات کمال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يُقَلِّبُ اللهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ " (16)

یعنی: " اللہ ہی رات اور دن کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے اور یقیناً اس میں صاحبانِ بصیرت کے لئے سامان عبرت ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ " (17)

یعنی: " اور تمہارے لیے حیوانات میں بھی عبرت کا سامان ہے کہ ہم ان کے شکم کے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

ان تمام آیات میں عقل مند انسانوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کے اسباب موجود ہیں۔ اسی طرح امثال کی بات ہے، قرآن کریم میں بہت سی آیات امثال ہیں، جیسا کہ سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے:

" مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ " (18)

یعنی: "ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھانہ سکے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔"

اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرماتا ہے:

" مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ " (19)

یعنی: " جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہوں اور ہر خوشے میں سو سو دانے ہوں اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دگنا بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔"

۷۔ مرسل و محدود (مطلق و مقید)

مرسل سے مراد مطلق ہے جس کی تعریف علم الاصول میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ مطلق ایسا لفظ جو عمومی طور پر اپنی جنس کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کے اللہ تعالی نے اس قرآن کریم میں مرسل و محدود یعنی مطلق اور مقید کو بیان کیا ہے۔ مطلق ایک ایسا لفظ ہے جو اپنی جنس کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد رب العالمین ہے:

" وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُواْ بَقَرَةً قَالُواْ أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً قَالَ أَعُوذُ بِاللّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" (20)

یعنی: " اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔"

یہاں پر لفظ بقرہ اپنی جنس کے تمام افراد پر یکساں دلالت کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی گائے ہو اسی لیے بنی اسرائیل نے سوالات کئے تھے۔

محدود یعنی مقید: مقید وہ لفظ ہے جو خاص پر دلالت کرتا ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" قالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّها بَقَرَةٌ لا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لا شِيَةَ فِيها قالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوها وَما كادُوا يَفْعَلُونَ" (21)

یعنی: " اس نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی سدھائی ہوئی نہ ہو جو ہل چلائے اور کھیتی کو پانی دے۔ بلکہ وہ سالم ہو اس پر کسی قسم کا دھبہ نہ ہو۔"

اس آیت کریمہ میں گائے کے خصوصیات بھی لگائی گئی ہیں، جس کی وجہ سے یہ لفظ خاص پر دلالت کرتا ہے۔

۸۔ محکم و متشابہ

محکم وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو اور کسی تفسیر کی ضرورت نہ ہو۔ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے محکم اور متشابہ کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں محکم اور متشابہ آیات کا ذکر اس طرح بیان ہوا ہے:

" هُوَالَّذِی أَنزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیلِهِ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ۔" (22)

یعنی: " وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے، جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں محکم اور متشابہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔ محکم کا لفظ باب افعال سے اسم مفعول ہے جو احکم سے اخذ کیا گیا ہے جس کی معنی ہے، پلٹا دینا اور روک دینا ہے۔ اور اسی سے ہی "حاکم" نکلا ہوا ہے اسے حاکم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکتا ہے۔ اور اسی سے حکمت بھی ہے اسے حکمت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ناشائستہ امور کو انجام دینے سے روکتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"إِنَّ اللّهَ لاَ یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ یَظْلِمُونَ۔" (23)

یعنی: "اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔"

متشابہ وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح نہ ہو اور اسے سمجھنے کے لیے کسی تفسیر کی ضرورت ہو۔

متشابہ باب تفاعل سے اسم مفعول ہے، جو تشابہ سے اخذ کیا گیا ہے، جس کی معنی ہے دو چیزوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہم شکل ہونا یا شباہت رکھنا کہ ذہن ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل جب گائے ذبح کرنے کا کہا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا:

یعنی: " گائے ہمارے نزدیک متشابہ ہو گئی ہے۔"

کیوں کہ ایسی بہت سی گائیں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ متشابہ ہیں، یہاں پر تشابہ سے مراد شباہت رکھنا ہے۔ متشابہ کی قرآن کریم میں مثال وہ تمام حروف مقطعات ہیں، جو بعض سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں، جس کی معنی کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یا جس کو رسول اللہ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى " (24) یعنی: " رحمان عرش پر متمکن ہو گیا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے۔ اس آیت کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی دیگر آیات کی طرف رجوع کیا جائے گا جہاں یہ ذکر ہے کہ جہاں منہ پھیرو گے وہاں اللہ کو پاؤ گے یا ہم

ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ پر موجود ہونے کے دلائل موجود ہیں۔

۹۔ مجمل و مفسر

مجمل: مجمل وہ آیات ہیں جن کی تفسیر کی ضرورت ہو۔

مفسر: وہ آیت ہے جو مجمل کی تفسیر بیان کرتی ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس میں مجمل بھی ہیں اور مفسر بھی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ بعض حصے کی تفسیر کرتا ہے کچھ آیات مجمل ہیں جن کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ'' (25) ترجمہ: '' مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں گی۔''

اس آیت کریمہ میں قروء کی دو معانی ہیں، ایک حیض اور دوسرے طہر یعنی حیض سے پاک ہونا ہے۔ لہٰذا یہ آیت مجمل ہے اس کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ اس کی تفسیر کی ضرورت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اس کی کتنی رکعت اور کتنے اوقات ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں۔

۱۰۔ گتھیوں کو سلجھادیا

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے گہرے مطالب کو واضح کر دیا ہے۔ قرآن کریم کے گہرے مطالب کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ جیسے: '' وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ '' (26) یعنی: '' اس کی تاویل کو اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔''اس بحث کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام احکام قرآن کریم کی ایک اور تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

۱۱۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کچھ ایسے احکام ہیں جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے یعنی ہر ایک پر اس حد تک پابندی عائد کی گئی ہے کہ اس سے چشم پوشی اور بے اعتنائی ناقابل معافی جرم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ااس کی توحید کا اقرار۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ " (27)

یعنی: " (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے رب نے آدم کی اولاد کی پشتوں سے ان کی ذریت کو لے کر انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر سوال کیا کہ تمہارا خدا ہوں؟ تو سب نے کہا کہ بے شک ہم گواہ ہیں۔"

۱۲۔ بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے احکام ہیں جن سے ناواقف رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی ایسی متشابہ آیات کہ جس کا علم صرف اللہ اور راسخون فی العلم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" (28)

یعنی: " اور اس کی تاویل کو صرف اللہ جانتا ہے اور وہ لوگ جانتے ہیں جو راسخون فی العلم ہیں۔"

۱۳۔ کتاب کا حکم سنت سے منسوخ ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتا ہے کہ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے:

" وَاللاَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً O وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا." (29)

یعنی: "اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ان پر اپنوں میں سے چار گواہوں کی گواہی لو اور جب گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ مقرر کر دے اور تم میں سے جو آدمی بدکاری کریں انہیں اذیت دو پھر اگر توبہ کر لیں اور اپنے حال کی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔"

ان میں سے پہلی آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں وہ مرتے دم تک اپنے گھروں میں قید رکھی جائیں۔ دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے بدکاری کرنے والوں کو ایذا دی جائے۔ یہ دونوں آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں جیسا کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے قرآن کریم میں سو کڑوں کی سزا سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ "(30)

یعنی: " زناکار مرد اور عورت کو سو سو کوڑے لگاو۔"

جب شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگار کی سزا حدیث نبوی میں سنائی گئی ہے۔ حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں اسی آیت " وللاتی یاتین الفاحشة من نساء کم الی سبیلا "کے بارے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے، اسی لئے اللہ ان کے لیے کوئی سبیل پیدا کرے گا اس سبیل سے مراد حد (یعنی شادی شدہ کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے جلد ہے) (31)

۱۴۔ سنت کا حکم کتاب سے منسوخ ہونا

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا بجالا ناحدیث کی رو سے واجب ہے لیکن قرآن میں ان کے ترک کرنے کی اجازت ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کا یہ کلام سابقہ کلام کے بالکل الٹ ہے کیونکہ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ قرآن کریم میں وجوب کا حکم تھا لیکن سنت میں اسے منسوخ کیا گیا۔ اس کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کچھ ایسے اعمال ہیں جن سنت کی روشنی میں انجام دینا فرض تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے ترک کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ اسلام کی ابتدا میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں نہیں ہے یہ حکم صرف حدیث کی روشنی میں تھا۔ یہ حکم قرآن کریم نے منسوخ کر دیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

" فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " (32)

یعنی: " پس آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑ دیں۔"

اس آیت نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کے حکم کو منسوخ کرکے کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

۱۵۔ بعض احکام کسی وقت واجب ہونے کے بعد مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب بر طرف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

" وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً " (33)

یعنی: " تم اپنے وعدے پورے کرو کیونکہ وعدہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

اس طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ " (34)

یعنی: "اور جب کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو اور اپنی قسموں کو باندھنے کے بعد نہ توڑا کرو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان بنا چکے ہو۔"

ان دونوں آیات میں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کوئی نذر و عہد کرتا ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن جب پورا کر لیا تو اس کا وجوب ختم ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ گناہان کبیرہ و صغیرہ

امیر المومنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے، کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ گناہ صغیرہ ہیں جن کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔ یہاں پر امیر المومنین علیہ السلام نے گناہوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور دوسرے وہ گناہ ہیں جن کے لیے بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

" إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلاً كَرِيمًا " (35)

یعنی: " اگر ان میں سے تم گناہان کبیرہ سے جن سے روکا گیا ہے بچے رہو گے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں سے بھی در گزر کریں گے اور تمہیں عزت والی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔"

اس آیت کریمہ سے دونوں قسم کے گناہوں کا ذکر ہے، گناہان کبیرہ کی احادیث میں بہت تفصیل آئی ہے لیکن ہم طوالت سے بچنے کے لیے اسی آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۷۔ مختصر عمل بھی قبول ہے اور زیادہ کی بھی گنجائش موجود ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ نماز تہجد کے کھڑا ہونا کہ اس کا تھوڑا حصہ بھی قبول ہے اور زیادہ کی بھی گنجائش موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَا أَیُّهَا الْمُزَّمِّلُO قُمِ اللَّیْلَ إِلَّا قَلِیلًاO نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِیلًاO أَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیلًا۔ "(36)

یعنی: "اے چادر لپیٹنے والے! رات کو کھڑے ہو، مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔"

اس طرح سورۂ مزمل کی ایک آیت کریمہ میں اس طرح بیان ہے:

"إِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّیْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِینَ مَعَكَ وَاللَّهُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (37)

یعنی: "(اے رسول!) بے شک تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے۔ اور اللہ ہی رات اور دن کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے، اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس پر پوری طرح سے حاوی نہیں ہو سکتے، تو اس نے تم پر مہربانی کی ہے تو جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو۔"

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز تہجد جتنا میسر ہو سکے پڑھو تو یہاں پر نماز کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ نماز شب قرآن کریم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور قرائت قرآن کی مانند ہے اور قرآن کریم نماز میں پڑھا جائے تو دل کو زیادہ لبھاتا ہے۔ اس کا تعلق ایسی قربۃ الی اللہ عبادات سے جن کا قلیل حصہ بھی مقبول ہے اور لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ کی گنجائش بھی اس کے اندر رکھی گئی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ۱۱۰، ص ۲۳۳

2۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ۱۵۶، ص ۳۰۳

3۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ا، ص ۲۸، ۲۹

4۔ بقرہ ۲۷۵

5۔ النساء / ۱۰۳

6۔ البقرہ/ ۲۳۴

7۔ البقرہ/ ۲۴۰

8۔ البقرہ/ ۱۷۳

9۔ الکہف/ ۱۱۰

10۔ محمد/ ۱۹

11۔ البقرہ/ ۴۳

12۔ البقرہ/ ۲۸۲

13۔ یٰس/ ۲۰

14۔ البقرہ/ ۴۷

15۔ النازعات/ ۲۵

16۔ سورۃ النور/ ۴۴

17۔ النحل/ ۶۶

18۔ الجمعہ/ ۵

19۔ البقرہ/ ۲۶۱

20۔ البقرہ/ ۶۷

21۔ البقرہ/ ۷۱

22۔ آل عمران/ ۷

23۔ یونس/ ۴۴

24۔ طٰہٰ/ ۵

25۔البقرہ/۲۲۸

26۔آل عمران/۷

27۔الاعراف/۱۷۲

28۔آل عمران/۷

29۔النساء/۱۶،۱۵

30۔النور/۲

31۔ تفسیر عیاشی ج۱، ص۲۲۷

32۔البقرہ/۱۴۴

33۔بنی اسرائیل/۳۴

34۔النحل/۹۱

35۔النساء /۳۱

36۔المزمل/۱۔۴

37۔المزمل/۲۰

مودّت آل محمد ﷺ کا وجوب

سید رمیز الحسن موسوی *

srhm2000@yahoo.com

قرآن مجید میں اجر رسالت کے بارے میں چار قسم کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ ایک آیت میں رسالت پر اجر کی بالکل نفی ہوئی ہے۔ دوسری آیت میں صرف ان لوگوں سے اجر رسالت مانگا گیا ہے جو خدا کی راہ کو اپناتے ہیں۔ تیسری آیت میں ارشاد ہے: ''میں تم سے جو بھی اجر مانگتا ہوں وہ صرف اور صرف تمہارے فائدے کے لئے ہے۔'' اور چوتھی آیت (مودّت) میں فرمایا: ''میرے قریبیوں سے مودت ہی میری رسالت کا اجر ہے۔'' فریقین کی روایات کے مطابق آیہ مودت، اہل بیت پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب ہم ان سب آیات کو یکجا دیکھتے ہیں تو یہ مطلب سامنے آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے امت سے رسالت پر جو بھی اجر مانگا ہے، اُس کا فائدہ آپ (ص) کو نہیں، امت ہی کے لئے ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ چیز مسلمانوں کو قرب خدا کی منزلیں طے کرنے میں مدد دیتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم رسول اکرمؐ کے راستے کو آپ کے اہل بیتؑ کی مودّت کے ذریعے ہی جاری رکھ سکتے ہیں؛ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اُس کی ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی فطری عادت کے پیش نظر اپنے پسندیدہ افراد اور معصوم ہستیوں سے محبت کو ہم پر واجب قرار دیا ہے تاکہ ہم اُن کی سیرت و کردار کو اپنا کر قرب خدا کی منزلیں طے کر سکیں۔

آیۂ مودّت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں ''القربیٰ'' کا کلمہ پندرہ مقامات پر استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کا معنی قریبی اور نزدیک کے رشتہ دار ہوا ہے۔ جب ایسا ہے تو بعض لوگوں کا یہ اصرار کہ آیۂ مودّت میں ''مودّت'' سے مراد ''تقرب الی اللہ'' ہے، بے جا اصرار ہے۔ نیز یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس آیت کے آخر ارشاد ہوا ہے: ''جو شخص نیک عمل بجالائے تو ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے؛ بے شک اللہ بخشنے والا اور شکر گزار ہے۔'' یقیناً اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی کہ انسان ہمیشہ الٰہی رہبروں کے ساتھ مودّت و محبت کے ذریعے وابستہ رہے اور اُن کے کردار و رفتار کو اپناتا رہے۔ جہاں بھی شک و شبہ میں مبتلا ہو تو ان سے رہنمائی حاصل کرے اور ان کی سیرت و کردار کو اپنے لئے معیار عمل قرار دے اور ان کی ذات اس کے لئے اُسوہ و نمونہ عمل ٹھہرے۔

---

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

اجر رسالت؛ چند نکات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجر رسالت کے بارے میں قرآن مجید میں چار قسم کی آیات نازل ہوئی ہیں:

۱۔ " قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ " (1)

یعنی: " کہہ دے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی تم پر کوئی بوجھ ڈالتا ہوں۔"

" وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ " (2)

یعنی: " دعوت رسالت کے بدلے ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے، ہمارا اجر تو صرف پروردگار عالم کے پاس ہے۔"

۲۔ "قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا" (3)

یعنی: " کہہ دے میں تبلیغ رسالت کے بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر جو لوگ پروردگار کے راستے کو اختیار کریں۔"

۳۔ "قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ۔" (4)

یعنی: " کہہ دے میں نے جو بھی اجر رسالت تم سے طلب کیا ہے وہ صرف تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے اور میرا اجر تو صرف خدا کی ذات پر ہے۔"

۴۔ " قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ " (5)

ترجمہ: " (اے رسولؐ) کہہ دو کہ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت رکھو اور جو کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لئے اس میں نیکی زیادہ کریں گے یقینا اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔"

جب ہم ان سب آیات کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں تو اجر رسالت کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، ایک آیت میں تو اجر رسالت کی بالکل نفی کی گئی ہے (6) دوسری آیت میں فرمایا: میں اجر رسالت صرف ان لوگوں سے مانگتا ہوں جو خدا کی راہ کو اپناتے ہیں۔ (7) پھر فرمایا: میں تم سے جو بھی اجر مانگتا ہوں وہ صرف اور صرف تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ (8) اور زیر بحث آیت میں فرمایا: میرے قریبیوں سے مودت ہی

میری رسالت کا اجر ہے (9) ان سب آیات کا مطلب یہ ہوا کہ میں تم سے جو بھی اجر مانگتا ہوں اس کا فائدہ مجھے نہیں، تم ہی لوگوں کے لئے ہے۔ اور یہ فائدہ یہ ہے کہ یہ چیز تمہیں قرب خدا کی منزلیں طے کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اجر رسالت میں پیغمبر اکرمؐ نے جو کچھ بھی مانگا ہے اس کا فائدہ خود آپؐ کو نہیں ہوگا بلکہ اس سے ہم خود ہی بہرہ مند ہوں گے۔ آخری آیت میں پیغمبر اکرمؐ نے اجر رسالت کے طور پر اپنے اہل بیتؑ کی محبت اور مودّت کا تقاضا کیا ہے۔ یعنی اہل بیت اطہارؑ سے مودّت کا فائدہ ہمیں ہی ہوگا نہ خود پیغمبر اکرمؐ کی ذات مبارک ہو۔ یعنی رسول اکرمؐ کے راستے کو ہم رسول اللہؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کی مودّت کے ذریعے ہی جاری رکھ سکتے ہیں چونکہ ان ذوات مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نمونہ بنا کر بھیجا ہے جو ان کی عصمت کی دلیل ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اُس کی ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی فطری عادت کے پیش نظر اپنے پسندیدہ افراد اور معصوم ہستیوں سے محبت کو ہم واجب قرار دیا ہے تاکہ ہم اُن کی سیرت و کردار کو اپنا کر قرب خدا کی منزلیں طے کر سکیں۔

قرآن مجید میں "القربیٰ" کا کلمہ سولہ مقامات پر استعمال ہوا ہے جو ہر جگہ پر قریبیوں اور نزدیکیوں کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوجود معلوم نہیں بعض لوگ صرف اسی آیت میں "قربیٰ" کو "تقرب الی اللہ" کے معنیٰ میں استعمال کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں اور اس کے واضح اور ظاہری معنیٰ کو جو کہ قرآن مجید میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے چھوڑ دیتے ہیں؟ پھر یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ اسی آیت کے آخر میں آیا ہے: جو شخص نیک عمل بجالائے تو ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے چونکہ خدا بخشنے والا اور شکر گزار ہے۔ (وَمَن یَقتَرِفُ حَسَنَةً نَّزِد لَهُ فِیهَا حَسناً اِنَّ اللہ غَفور شَکُور) اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے کہ انسان ہمیشہ الٰہی رہبروں کے ساتھ مودّت و محبت کے ذریعے وابستہ رہے اور اُن کے کردار و رفتار کو اپناتا رہے۔ جہاں بھی شک و شبہ میں مبتلا ہو تو ان سے رہنمائی حاصل کرے اور ان کی سیرت و کردار کو اپنے لئے معیار عمل قرار دے اور ان کی ذات اس کے لئے اُسوہ و نمونہ عمل ٹھرے۔

شان نزول کے بارے میں روایات

فریقین کی روایات کے مطابق آیہ مودت، اہل بیت پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ شیعہ کتب کے علاوہ (10) اہل سنت کی جن کتابوں میں اس شان نزول کی تاکید میں جو روایات و احادیث نقل ہوئیں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ قسطلانی ''المواهب اللّدُنّية'' میں لکھتے ہیں:

'' أَلزَمَ الله مَوَدَّةَ قُرباهُ كافّةَ بَرِيَّتِهِ وَ فَرَضَ مَحَبَّةَ جُملَةِ أَهل بَيتِهِ المُعَظَّم وَ ذُرِيَّتِهِ، فَقَال تَعالىٰ(قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربىٰ وَمَن يَقتَرِفُ حَسَنَةً نَّزِد لَهُ فِيهٰا حَسناً اِنَّ الله غَفور شَكُور) '' (11)

یعنی: ''خداوند متعال نے پیغمبرؐ کے نزدیکی اقربا کی محبت سب پر واجب کر دی ہے اور حضرت رسولؐ کے اہل بیتؑ معظم اور آپؐ کی ذریت کے بارے میں خداوند نے فرمایا ہے '' کہو اے پیغمبرؐ میں انجام رسالت کے عوض آپ لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اپنے اقرباء (اہل بیتؑ) کی محبت کے۔''

۲۔ ایک دوسری روایت کے جو طبری، حاکم حسکانی اور ابن عساکر نے چند طریقوں سے ابی امامہ باھلی سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے:

''اِنَ الله خلق الأنبيا من أشجار شتى و خلقت أنا و عليّ من شجرة واحدة، فأنَا أصلها و عليّ فرعها، و الحسن و الحسين ثمارها و أشياعنا أوراقها، فمن تعلّق بغصن من أغصانها نجا، و من زاغ هوىٰ و لو أنّ عبداً عبد الله بين الصفا و المروة ألف عام ثّم ألف عام ثّم ألف عام حتىٰ يصير كالشّنّ البالى ثم لم يدرك محبتنا أكبّه الله على منخريه فى النار۔ ثمّ تلا {قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربىٰ} '' (12)

یعنی: '' خداوند متعال نے انبیاءؑ کو مختلف درختوں سے پیدا کیا ہے لیکن مجھے اور علیؑ کو ایک ہی درخت سے خلق فرمایا ہے۔ اور میں اس درخت کی اصل (جڑ) ہوں اور علیؑ اس کی شاخ ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ اس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ (پیروکار) اس کے پتے ہیں۔ پس جو بھی اس کی کسی شاخ سے متصل ہو جائے وہ نجات یافتہ ہے اور جو اس سے دور رہے وہ گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ اگر کوئی بندہ خدا صفا و مروہ کے درمیان تین ہزار سال عبادت بجالائے، یہاں تک کہ قیمتی مشک کی مانند ہو جائے لیکن ہماری محبت کو نہ پا سکے تو خداوند اسے منہ کے بل آگ میں ڈالے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے آیہ مجیدہ { قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً ۔۔۔۔ الخ } کی تلاوت فرمائی۔''

۳۔ زمخشری اور فخر رازی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل یہ روایت نقل کی ہے جسے ہم تفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) فخر رازی سے نقل کرتے ہیں جس کو انھوں نے زمخشری کی تفسیر الکشاف سے نقل کیا ہے اور ساتھ ہی اس روایت کی شرح بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"المسأله الثالثة": نقل صاحب الکشاف عن النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنه قال: من مات علی حب آل محمد مات شَہیداً۔۔۔ ألا و مَن مات علیٰ بغض آل محمّدٍ لم یشم رائحة الجنة۔ هذا هو الذی رواه صاحب الکشاف و أنا اقول: آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هم الذین یؤول أمرهم الیه فکل مَن کان أمرهم الیه أشد و أکمل کانوا هم الآل، و لا شك أن فاطمة و علیاً و الحسن و الحسین کان التعلق بینهم و بین رسول الله (ص) أشد التعلقات و۔۔۔ فمختلف فیه۔"

یعنی: صاحب تفسیر الکشاف نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جو بھی محبت آل محمدؐ پر مرتا ہے، وہ شہید کی موت مرتا ہے۔ جو بھی آل محمدؐ کی دوستی پر مرتا ہے، وہ مغفور مرتا ہے۔ جان لو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے، توبہ کے ساتھ مرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ جو بھی آل محمدؐ کی مودت کے ساتھ مرتا ہے کامل ایمان والا مومن ہو کر مرتا ہے۔ جان لو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت لے کر مرتا ہے، ملک الموت اور منکر و نکیر اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ جو بھی آل محمدؐ کی دوستی کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے گویا وہ جنت کی طرف اس طرح جا رہا ہے جس طرح دلہن آرائش کے ساتھ شوہر کے گھر جاتی ہے۔ جان لو! جو بھی مودت آل محمدؐ کے ساتھ مرتا ہے، اس کے لیے قبر میں جنت کی طرف دو دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

جان لو! جو بھی مودت آل محمدؐ پر مرتا ہے خداوند اس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔ آگاہ رہو! جو بھی محمد و آل محمدؐ کی محبت لے کر مرتا ہے وہ امت اسلام کی سنت کے مطابق مرتا ہے (یعنی شریعت اسلامیہ کی پیروی کرتے ہوئے مرتا ہے۔) خبردار! جو بھی بغض آل محمدؐ پر مرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا: "رحمت خدا سے مایوس"۔ جان لو! جو بھی آل محمدؐ کی دشمنی اور عداوت لے کر مرتا ہے، وہ کافر ہوتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! جو بھی آل محمدؐ کی دشمنی کے ساتھ مرتا ہے، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکتا۔

یہ تو وہ روایت ہے صاحب تفسیر الکشاف نے نقل کی ہے۔ لیکن آل کے بارے میں میرا [علامہ فخر رازی] نظریہ، یہ ہے کہ: "آل محمدؐ" وہ ہیں کہ جن کا سلسلۂ (نسب) آنحضرت (ص) کی طرف پلٹتا ہے اور جن کا سلسلۂ نسب آنحضرتؐ کے ساتھ محکم اور کامل تر ہو، وہی آل ہیں۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ فاطمہ و علی و حسن و حسین (علیہم السلام) کا ارتباط رسول خداؐ سے محکم ترین ارتباط تھا اور یہ بات متواتر روایات کے ذریعے روشن اور واضح ہے۔ پس حتمی طور پر یہی ہستیاں آل ہیں۔۔۔ رہا باقی لوگوں کا سوال کہ آیا وہ آل میں شامل ہیں یا نہیں تو یہ امر اختلافی ہے۔"

بعض کہتے ہیں "آل" سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں بعض کے نزدیک امت محمد (ص) آل ہے لیکن ہر دو معنی کے مطابق بھی یہی (فاطمہ، علی، حسن، حسینؑ) آل ہیں۔ پس تمام صورتوں میں یہی (ذوات مقدسہ) آل شمار ہوتی ہیں البتہ دوسروں کا "آل" کے معنی میں داخل ہونا اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کے بعد فخر رازی، صاحب تفسیر الکشاف (علامہ زمخشری) سے آل کے بارے میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"أنه لمّا نزلت هذه الآية قيل: يا رسول الله ﷺ! من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مؤدتهم؟ فقال: علّي، فاطمة و ابناهما، فثبت أن هؤلاءِ الأربعة أقارب النّبي(ص)۔ و اذا ثبت هذا وجب أن يكونوا مخصوصين بمزيد التعظيم و يدل عليه وجوه: الأول:۔۔۔ كما نظم الفرات الفائض:

ان كان رفضاً حب آل محمد

فليشهد الثقلان أني رافضي۔[9]

یعنی: "جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض نے رسول خداؐ سے عرض کی: یا رسول اللہؐ یہ آپؐ کے عزیز و اقارب کون ہیں کہ جن کی مودّت و محبت ہم پر واجب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: علیؑ فاطمہؑ اور ان کے دو فرزند علیہم السلام۔ پس اس طرح ثابت ہو گیا کہ یہ چار (ذوات مقدسہ) رسول خداؐ کے اقارب ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی ہے تو واجب ہے کہ ان مخصوص ہستیوں کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کی جائے اور اس بات کی چند دلیلیں ہیں:

اول: خدا کا یہ فرمان "الا المودۃ فی القربیٰ" اس سے استدلال پہلے گزر چکا ہے۔

دوم: اس میں کوئی شک و تردید نہیں ہے کہ رسول خداؐ جناب فاطمہؑ سے محبت کرتے تھے اور آپؐ نے فرمایا تھا: ”فاطمہؑ میرے جسم کا حصہ ہے جو بھی اسے اذیت دیتا ہے گویا وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ متواتر روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خداؐ حضرت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ سے محبت کرتے تھے۔ جب یہ بات ثابت ہے تو پوری امت پر واجب ہے کہ وہ رسول خداؐ کی مانند اِن سے محبت کرے۔ چونکہ خداوند کا فرمان ہے (اور تم اسی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔) اور پھر فرمایا (پس جو لوگ رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے) اور پھر فرمایا: (اے رسولؐ کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو پھر تم کو اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھے گا) اور اس کے بعد فرمایا (یقیناً تم لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ میں ایک اچھا نمونہ ہے۔)

سوم: آل محمدؐ کے لیے دعا ایک عظیم منصب ہے۔ اسی لیے آل (محمدؐ) پر دعا اور درود کو تشہد کا خاتمہ قرار دیا گیا ہے اور واجب ہے کہ کہا جائے: ”اَللّٰھم صَلِّ علیٰ محمّدٍ و علیٰ آل محمد و ارحم محمداً و آل محمدٍ“ ایسی تعظیم دوسروں کے لیے کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی سوائے آل کے۔ اور یہ سب باتیں اس چیز کی دلیل ہیں کہ آل محمدؐ سے محبت اور دوستی رکھنا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے: ”اے وادی محصّب کے سوار! منیٰ میں رک جا اور خیف کے ساکنین اور کوچ کرنے والوں کو ندا دے۔ سحر کے وقت حاجی منیٰ کی جانب اس طرح بہنے (چلنے) لگتے ہیں جس طرح فرات کا پانی بہتا ہے۔ کہہ دو، اگر آل محمدؐ کی محبت اور دوستی ”رفض“ (اہل جماعت سے دوری) ہے تو سب جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔“

۴۔ اہل بیت کا آیۂ مودّت سے استدلال

حضرت امام حسنؑ نے اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد جو خطبہ دیا اس میں ایک جگہ فرمایا:

”و أنا مِن أهل البيت الّذي افْتَرَضَ الله مَوَدَّتَهُمْ علىٰ كُلِّ مُسلِمٍ فَقَال تبارك و تعالىٰ لِنَبِيِّهٖ:“ قُل لاٰأَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربىٰ وَمَن يَقتَرِفُ حَسَنَةً نَّزِد لَهُ فِيهٰا حَسناً“ فَاقْتِرَافُ الْحَسَنَةِ مَوَدَّتُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ“

یعنی: ”میں اہل بیت کا فرد ہوں جس کی مودت اللہ نے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے؛ پس خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا: ”قُل لاٰأَسئَلُكُم عَلَيهِ ۔۔۔۔ الخ“ (یعنی اے پیغمبر! کہو کہ میں انجام رسالت پر تم سے اجر نہیں چاہتا سوائے اپنے اہل بیتؑ کی مودت کے اور جو

کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس میں نیکی زیادہ کریں گے) اور ''حسنہ'' (نیکی) کمانے سے مراد ہم اہل بیتؑ کی مودت و محبت کو حاصل کرنا ہے۔''۱۰

حضرت امام علی بن حسین (زین العابدین) علیہ السلام نے دمشق کے سفر کے دوران آیہ مودت سے استدلال کیا اور ایک شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''۔۔۔۔ أقرأت القرآنَ؟ فقَال: نَعَم۔ قالَ: فقَرَأتَ آلَ حمٓ؟ قال: قَرَأتُ القرآن وَلَمْ أقرَأ آلَ حمٓ؟! قَال: أما قَرَأتَ: ''قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربیٰ'' قَال: وَاِنَّكُمْ لَاَنْتُمْ هُمْ؟ قَال: نَعَمْ''

یعنی: ''کیا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اس نے عرض کیا: ہاں۔ حضرت نے فرمایا: آل حم کی تلاوت کی ہے؟ اس نے کہا: کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے قرآن پڑھا ہو اور ''آل حم'' کی تلاوت نہ کی ہو۔ تب امامؑ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت: ''قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيه۔۔۔ الخ'' نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کی: ''آیا آپ ہی وہ خاندان ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں (ہم ہی اہل بیتؑ ہیں جن کی محبت واجب ہے)'' ۱۱

''ابن حجر'' اپنی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

'' فِيْنَا آلِ حمٓ آيَة لاَيَحْفَظُ مَوَدَّتِنَا الاَّ كُلُّ مُؤمِنٍ، ثُمَّ قَرَأَ: '' قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربیٰ'' ۱۲

قرآن میں ایک آیت ہے کہ جو ہم ''آل حمٓ'' کی شان میں نازل ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ہماری دوستی و مودت کی سوائے مومن کے اور کوئی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد آپؑ نے آیہ مجیدہ: ''قُل لاَّ أَسئَلُكُم عَلَيهِ أَجراً اِلاَّ المَوَدَّةَ فِي القُربیٰ'' کی تلاوت فرمائی۔ محب الدین طبری ''ذخائر العقبیٰ میں ''مَلّاء'' سے نقل کرتے ہیں:

''اِنَّ رَسُولَ اللهِ (ص) قَالَ: اِنَّ اللهَ جَعَلَ أَجْرِی عَلَيْكُمُ المَوَدَّةَ فی أهلِ بَيْتِی وَ اِنّی سائِلُكُمْ غَداً عَنْهُمْ'' ۱۳

یعنی: ''رسول خداؐ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے میری رسالت کا اجر، میرے ''اقرباء'' کی مودت کو قرار دیا ہے اور میں قیامت کے دن تم سے اس مودّت کے بارے میں پوچھوں گا۔''

ان آیات اور روایات سے اہل بیت اطہار ÷ کی مودّت کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے مزید روایات کے لیے درج ذیل کتب کی جانب رجوع کیجئے کہ جن میں آیہ مودّت کو اہل بیتؑ اطہار کی شان میں نقل کیا گیا ہے:

۱۔ الفصول المھمہ	ابن صباغ مالکی ص ۱۱
۲۔ کفایہ الطالب	محمد بن یوسف گنجی شافعی ص ۳۱، باب ۱۱
۳۔ احقاق الحق، جلد ۳	قاضی نور اللہ تستری، ص ۲ الی ۲۳
۴۔ نور الابصار	شیخ مومن شبلنجی، ص ۲۲۴
۵۔ ینابیع المودۃ	شیخ سلیمان قندوزی حنفی، باب ۳۲، جلد ۱
۶۔ فضائل الصحابہ	احمد بن حنبل، ص ۲۱۸
۷۔ مناقب	ابن مغازلی، ص ۳۰۹
۸۔ معجم کبیر	طبرانی، جلد ۱۱، ص ۳۵۱، حدیث ۱۲۲۵۹
۹۔ تفسیر الدر المنثور، جلد ۶، ص ۷	
۱۰۔ جامع البیان طبری، جلد ۲۵، ص ۱۶	

حوالہ جات

۴۔ تفسیر الکشاف۔ (سورہ شوریٰ) جلد ۳، ص ۴۶۷۔ تفسیر الکبیر جلد ۲۷، ص ۴۳
۵۔ اعراف ۱۵۸
۶۔ نور ۶۳
۷۔ آل عمران، آیت ۳۱
۸۔ الأحزاب، آیت ۲۱
۹۔ تفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) جلد ۲۷، ص ۱۳ (مجلّہ ۱۴)
۱۰۔ المستدرک علی الصحیحین، جلد ۳، ص ۱۸۹، حدیث ۴۸۰۲
۱۱۔ تفسیر طبری جلد ۲۴، ص ۱۶۔ شرح المواھب اللدنیۃ جلد ۷، ص ۲۰
۱۲۔ الصواعق المحرقہ، ص ۲۵۹ یا ۱۰۱

۱۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۲۵، ۲۶۔ الصواعق المحرقہ، ص ۲۱۶۔ ینابیع المودۃ جلد ۱، ص ۳۱۶، باب ۳۲

حوالہ جات

1۔ سورۂ ص/۸۶

2۔ سورۂ شعراء، ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵

3۔ سورۂ فرقان، ۵۷

4۔ سورۂ سبا، ۴۷

5۔ سورہ شوریٰ آیت ۲۳

6۔ ص، ۸۶

7۔ فرقان، ۵۷

8۔ سبا، ۴۷

9۔ شوریٰ، ۲۳

10۔ شیعہ کتب کے لیے دیکھیے تفسیر مجمع البیان جلد ۹، ص ۴۳۔ تفسیر نور الثقلین جلد۔ تفسیر المیزان جلد ۱۸، ص ۵۱

11۔ شرح المواھب اللّدُنیۃ ج ۳، ۷، ۲۱

12۔ شواھد التنزیل جلد ۲، حدیث ۷۸۳۔ تاریخ دمشق، جلد ا ترجمہ امیر المومنین علیؑ، ص ۱۴۸

انبیاء کی بعثت کا ہدف

ثاقب اکبر *

چونکہ آج مغربی معاشرے میں عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسان نے خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا نبوت کی ضرورت کے سلسلے میں ایک بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا دنیاوی اور مادی زندگی کے لحاظ سے؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور دین کا تعلق ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی، دونوں پہلوؤں سے ہے۔

ہمیں یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اور انسان اپنے فطری راستے پر چلتا رہے تو پوری انسانیت ایک امت بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ فطرت کا راستہ ترک کر دیں تو انسانی معاشروں میں اختلافات جنم لیتے ہیں۔ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم ہدف، ان اختلافات کا خاتمہ ہے اور امتِ واحدہ کی تشکیل ہے۔ گویا انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کو پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔

رسول اکرمؐ کی بعثت کا ایک اہم فائدہ انسانیت کو یہ حاصل ہوا کہ بنی نوع بشر قتل و فساد اور جنگ وجدل سے بچ کر آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی تشکیل ہوئی۔ انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اور اہم ہدف لوگوں کو اللہ تعالی کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینا تھا۔ درحقیقت، اللہ تعالی کی بندگی ہی انسانوں کی وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بنی نوع انسان کو آخرت کے عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا بھی انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش بھی انبیاء کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انبیاء نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔

*۔ صدر نشین، البصیرہ ٹرسٹ، اسلام آباد

نبوت ایک اصل دین

اصول کی بحث یا عنوان خود ہمارا پیدا کردہ ہے قرآن یا کسی مستند حدیث میں یوں نہیں آیا کہ اصول دین اتنے ہیں البتہ جن امور پر بنیادی طور پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اصول دین ہیں۔ بعض امور ضمنی طور پر آجاتے ہیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے لیکن وہ ضمنی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت کا موضوع اصول دین میں سے ہے لیکن ختم نبوت کا موضوع اس کے ضمن میں آتا ہے اسی طرح سے وحی کا موضوع بھی نبوت کے موضوع کے ضمن میں زیر بحث آتا ہے۔

دین کی بحث کو آسانی کے لیے ہم اصول اور فروع میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصول دین کا تعلق عقائد و معارف سے ہے اور فروع دین کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ ان میں سے گویا ایک کا تعلق ایمانیات سے ہے اور دوسرے کا عملیات سے ہے۔ نبوت کا تعلق بھی عقائد سے ہے جسے ہم ایک لحاظ سے دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک نبوت عامہ اور دوسری نبوت خاصہ۔

نبوت عامہ

نبوت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ بعض افراد خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، احکام اس سے لیتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ خدا کی طرف سے نبوت کے منصب پر اپنی ماموریت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح سے اپنی نبوت کا اثبات بھی خود نبی کے ذمے ہے۔

نبوت خاصہ

اس عنوان کے تحت ہم مختلف انبیاء کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں یا مختلف انبیاء کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ نبی تھے، موسیٰ نبی تھے حضرت محمد مصطفیٰؐ نبی ہیں تو ان کی نبوتوں کا ثبوت کیا ہے۔ یعنی نبوت خاصہ کی بحث کا تعلق ان افراد سے براہ راست ہے جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

''نبی'' کا مفہوم

لفظ نبی نباء سے نکلا ہے اور نبا کا معنی ہے خاص خبر یا عظیم خبر۔ عربی میں خبر کا لفظ بھی اطلاع کے معنی میں آتا ہے لیکن نبی کو ہم مخبر یعنی خبر لانے والا نہیں کہتے۔ نباء کے حوالے سے نبیؑ کہتے ہیں یعنی بڑی خبر لانے والا۔ قرآن میں بھی نباء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورہ نباء یہاں سے شروع ہوتی ہے:

" عَمَّ يَتَسَاءَلُونَO عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ " (1)

یعنی: " یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ ایک بڑی خبر کے بارے میں۔"

نبی کی ضرورت اور اجتماعی پہلو

اس سلسلے میں بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا ہماری دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے بھی نبی کی ضرورت ہے اور ہماری اجتماعیت کے ساتھ نبوت کا کیا رشتہ اور تعلق ہے یا نبوت کا تعلق فقط بعد از موت زندگی سے ہے۔ مغربی معاشرے میں ایک عرصے سے عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسانوں کو اجتماعی طور پر خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات یا اس کی کتاب کو اساس کار کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسی کو وہ حکومتوں اور ریاستوں کا سیکولر ہونا قرار دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے پاس عقل ہے، وہ عقل سے کام لے کر اپنی زندگی بہتر گزار سکتا ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور عقل بھی ان قوانین کو درست سمجھتی ہے اور وہ بہتر نتائج کے بھی حامل ہیں تو پھر دین کا تعلق ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی سے ثابت ہوتا ہے۔ جب ہم دین کا تعلق سوسائٹی یا معاشرے سے ثابت کر دیں گے تو پھر یہ سوال نہیں رہے گا کہ دین ہماری زندگی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ وجہ بعثت انبیاء پر گفتگو کرتے ہوئے ہم آئندہ دلائل سے ثابت کریں گے کہ خود قرآن حکیم نے بعثت انبیاء کے اجتماعی مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

امت واحدہ کی تشکیل

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بعثتِ انبیاء کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی یہ آیت اس حوالے سے بہت جامع اور واضح شمار کی جاتی ہے!

" كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ

الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" (2)

یعنی: "سب لوگ ایک امت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ساتھ ان کے برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے مابین ان امور میں فیصلہ کر دے جس میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور انہی نے اس میں اختلاف کیا جنھیں یہ (کتاب) دی گئی تھی جبکہ اس کے پاس بین و واضح احکام و دلائل آچکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے باہمی رسہ کشی اور شرارت کی بنیاد پر کیا تھا۔ پس اللہ نے ایمان لانے والوں کو وہ راہ حق دکھا دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

اس آیۂ مجیدہ سے مندرجہ ذیل بنیادی باتیں اخذ کی جا سکی ہیں:

1) تمام انسان ایک امت تھے، اکٹھے تھے، متحد تھے۔

2) جب انسانوں میں اختلاف پیدا ہوا تو اُن میں نبی مبعوث ہوئے تاکہ اللہ نے انھیں جو زندگی کے قوانین و اصول دیے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں کے مابین سے اختلاف رفع کر دیں اور انھیں پھر "امۃ واحدہ" بنا دیں۔

3) ایک گروہ اختلاف کے راستے پر کاربند رہا جبکہ اس پر حجت تمام ہو گئی، روشن دلائل آچکے اور حق و باطل میں تمیز واضح ہو گئی۔

4) ایک گروہ نے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور وہ "مومن" قرار پائے اور وہی سیدھے راستے پر گردانے گئے۔

انسان کے امت واحدہ کے ہونے کے حوالے سے یہ امر مد نظر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اس لئے اگر ان کی فطرت کسی خارجی رنگ یا گرد و غبار یا زنگ سے محفوظ رہے تو یکساں رہتی ہے اور وہ "امت واحدہ" بن کر رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ فطرت اللہ کی فطرت سے ہم رنگ ہے بلکہ بہتر لفظوں میں انسان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہٰذا انسان اپنے فطری راستے پر چلتا

رہے تو یہی اللہ کا راستہ ہے، یہی دین الٰہی ہے اور یہی صراط محکم و مستقیم ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

" فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ " (3)

یعنی: " اپنا رُخ محکم و مستقیم دین کی طرف کیے رکھ۔ اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ کی خلقت اور بناوٹ تبدیل نہیں ہوتی۔ یہی مضبوط دین ہے۔"

انبیاء کا اختلاف ختم کرنے کیلئے آنا گویا انسانوں کو فطرت کے راستے کی طرف واپس لانے کیلئے ہے۔ جس کے نتیجے میں وہی امت واحدہ پھر سے معرض وجود میں آجائے۔ اس مقصد کے لئے انبیاء تبشیر وانذار کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء نفس بشر کی اصلاح کیلئے مامور ہوئے تھے۔ وہی نفس جو آزادیٔ ارادہ واختیار کے استعمال سوء کے نتیجے میں راہ فساد اختیار کر لیتا ہے۔ انبیاء آئے تاکہ انسانی نفس کو راہ اصلاح پر کاربند رہنے کی مشق کروائیں، یہاں تک کہ بھلائی کا اختیار کرنا اس کے اندر ملکہ کی شکل اختیار کر لے۔ آخری رسول کی بعثت کی دعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اسی مقصد کے لئے مانگ رہے تھے:

" رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوعَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ " (4)

ترجمہ: " اے ہمارے رب! ان میں ایک ایسا رسول بھیج، جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک وپاکیزہ کرے۔"

بعثت انبیاء کا مقصد بزبان امیر المومنینؑ

حضرت امیر المومنین علیؑ نہج البلاغہ کے اپنے پہلے خطبے میں بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

" فبعث فیهم رسله واتر الیهم انبیائه ،لیستادوهم میثاق فطرته و یذ کروهم منسی نعمته ویحتجوا علیهم بالتبلیغ ویثیروا لیهم دفائن العقول ویروهم الایات المقدرة" (5)

یعنی :"اللہ نے بنی آدم میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔"

قبل ازیں مذکورہ آیات کو سامنے رکھ کر جناب امیرؑ کے اس فرمان کو دیکھا جائے تو یہ انہی آیات کی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔اس میں صراحت سے فرمادیا گیا ہے کہ انبیاء کا مقصد بعثت انسان کو اس کا بھولا ہوا پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔ عقل کے دفینوں کو ابھارنے کی تعبیر یہاں بہت معنی خیز ہے۔اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت عقلی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔دوسرا پہلو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت ایسی ہوتی ہے کہ جو انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار ہوتی ہے اور پھر یہ انسانی فطرت و عقل کی گہرائیوں سے ہی ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بعید نہیں کہ آیت میں تعلیم حکمت اس مفہوم کی حامل ہو۔

اس خطبے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیمان فطرت کی فراموشی انسانوں میں خرابی اور فساد کا باعث بنتی ہے۔رسول اسلامؐ کی بعثت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب امیرؑ نہج البلاغہ ہی میں اپنے ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

"ارسله علی حین فترة من الرسل وطول هجعة من الامم واعتزام من الفتن و انتشار من الامور وتلظ من الحروب و الدنیا کاسفة النور ظاهرة الغرور علی حین اصفراء من ورقعها وایاس من ثمرها اغوارا من مائها قدد رست منار الهدی۔۔" (6)

یعنی:" اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں۔ فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس وقت اس کے پتوں میں زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے ناامیدی تھی۔ پانی زمین میں تہ نشین ہو چکا تھا۔ ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے۔۔۔"

یہ سب عبارت درحقیقت " مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ" کی خوبصورت اور دلنشین تفسیر ہے۔قرآن حکیم نے اس اختلاف کی موجودگی اور پھر بعثت رسول اکرمؐ کی برکت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

" ذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا" (7)

یعنی: " اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے الفت پیدا کردی پس تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بن گئے اور تم گویا آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے کہ خدا نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اکرمؐ کی بعثت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قتل و فساد اور جنگ وجدل میں مبتلا متفرق انسان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی شکل میں بدل گئے۔ رسول اکرمؐ کا ایک مشہور فرمان بعثت کے مقصد کی طرف ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کرتا ہے:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (8)

یعنی: " میں اچھے اور بھلے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

اگر ہم اخلاق کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھیں کہ یہ انسانوں کے باہمی روابط و تعلقات کی نوعیت سے بھی عبارت ہے تو واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کے باہمی روابط کو نیکی اور بھلائی کی بنیادوں پر استوار کرنا بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن و حدیث سے وجہ بعثت کے اس اجمالی بیان کے بعد ہم زیر بحث موضوع کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) لوگوں کو عبادت کی دعوت دینے کیلئے

کیا انبیاء کرام لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث ہوئے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ درحقیقت اللہ کی بندگی ہی انسانوں میں توحید ووحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اختلاف عبادت الٰہی یا تقاضائے عبادت الٰہی سے انحراف ہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتا ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (9)

یعنی: " میں نے جن وانس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔"

جب تخلیق جن وبشر کا مقصد ہی عبادت ٹھہرا تو پھر انبیاء کی دعوت سوئے عبادت حق تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہی فطرت انسانی کے میثاق کے ایفا کی دعوت ہے۔ انسانی معاشرے کی تمام کجرویاں اسی دعوت سے انحراف کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔ اگر سب کا ہدف خدا ہو جائے تو نوع انسانی میں سے ہدف کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ ساری جنگیں تو اہداف و مقاصد کے اختلاف ہی سے جنم لیتی ہیں۔ اگر انسان سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ سب کا معبود بھی ہے اور خالق و مالک بھی تو پھر ایک بندے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس نظر سے دیکھے کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اگر انسان میں یہ نظر پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنے آقا و مالک کے کسی بندے کے ساتھ کیونکر ظلم کر سکتا ہے۔

سب گویا ایک دوسرے کی کمک کرکے اپنے معبود کی عبادت ہی انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ پھر دعوت الٰہی میں انسان کی باہمی رقابت بہت دل خوش کن منظر میں بدل جاتی ہے۔ بقول غالب:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں (10)

(2) فلاحی کام کرنے کے لیے:

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر الٰہی دعوت کے بعد " لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "فرمایا گیا ہے۔ احکام اسلامی میں نماز کا مقام و درجہ سب سے بلند ہے۔ اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے موذن پکارتا ہے:

"حی علی الفلاح"

دراصل فلاح کا تصور کہ جو نرا مادی ہے اور فلاح کا تصور کہ جو دارین پر حاوی ہے، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ آخرت سے بے نیاز ہو کر، جہانِ دیگر سے انقطاع کے بعد فلاح کا تصور مکتب انبیاء میں سرے سے عنقا ہے۔ فلاح کے جامع تصور کے حوالے سے اگر پوچھا جائے کہ انبیاء ہماری فلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے تو اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ رہے سماجی حوالے سے فلاحی کام تو یہ کلی توحیدی معاشرے کا ایک مثبت پہلو ہے۔

تاہم مکتب انبیاء سے وابستہ انسان کا اس حوالے سے جذبۂ محرکہ مکتب انبیاء سے دور انسان کے جذبۂ محرکہ سے مختلف ہی نہیں ہوتا بلکہ آخر کار نتیجہ بھی بہت مختلف نکلتا ہے۔ سماجی بھلائی کے کام انبیاء کے ساختہ و پرداختہ انسان کے وجود سے خود بخود مترشح ہوتے ہیں لہٰذا انھیں انبیاء کی تحریک انسان سازی

کاایک نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلاواسطہ انبیاء کا کام فطرت انسانی کو صالح رکھنا ہے، یہ مقصد حاصل ہو جائے تو معاشرہ بہر حال صالح اور فلاح یافتہ ہو جاتا ہے۔

(3)دنیا سے دور رکھنے کیلئے:

دنیاکے دو تصور ہیں، ایک دنیا جوآخرت سے بے نیاز ہو کر یا لا تعلق ہو کر حاصل ہو،انبیاء کے مکتب میں ایسی دنیا سے دوری ہی کی دعوت دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو شخص صرف یہ کہتا ہے:

"فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" (11)

یعنی: "انسانوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں عطا کر، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

ایسی ہی دنیاکے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"حب الدنیا راس کل خطیة" (12)

یعنی: "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو پسند فرماتا ہے جو کہتے ہیں:

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (13)

یعنی: "پروردگار! ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی کر اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

جوانسان اس دنیا کو اپنی نجات اخروی کا زینہ بناتا ہے وہ انبیاء کے مکتب کا صحیح شاگرد ہے، اس لئے کہ اس مکتب کی تعلیم یہ ہے:

"الدنیا مزرعة الآخرة" (14)

یعنی: "دنیاآخرت کی کھیتی ہے۔"

دوسری طرف اسلام نے دنیا سے قطع تعلق کی کھل کر مخالفت کی ہے۔اسلام کا یہ نظریہ مشہور ہے:

"لا رھبانیة فی الاسلام" (15)

قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

"لَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔۔۔" (16)

یعنی: "اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔"

لہٰذا انبیاء ایسی دنیا سے دور رہنے کا پیغام تو دیتے ہیں جو آخرت کی نفی پر استوار ہو اور انسان کو آخرت سے غافل کر دے جبکہ اس دنیا کو آخرت کیلئے کھیتی بنا کر استفادے کے حامی ہیں۔انسانی معاشروں میں اختلاف ایسی دنیا پرستی کی بنا پر ہی پیدا ہوتا ہے جو آخرت سے دوری کا باعث ہوتی ہے۔ انسانی فطرت انسانی بقا کی خواہشمند ہے جبکہ اس دنیا کی زندگی فانی ہے لہٰذا فانی زندگی کی طلب فطرت انسانی کے تقاضوں کی پامالی سے عبارت ہے اور یہ امر سراسر وجہ بعثت انبیاء سے متصادم ہے۔

(4) سیاست سے دور رکھنے کے لئے

سطور بالا میں دنیا کے بارے میں اسلامی تصور سے اس سوال کا جواب واضح ہو گیا ہے۔ سیاست اگر انسانوں کو باہم جوڑنے، انھیں امت واحدہ بنانے، عدل اجتماعی کے قیام سے عبارت ہے تو یہی انبیاء کی تعلیمات کا تقاضا ہے لیکن سیاست کا مقصد اگر اس کے برخلاف ہے تو پھر انبیاء کے راستے کے برخلاف ہے۔

(5) آخرت میں چھٹکارا دلانے کیلئے:

ابھی ہم نے قرآن حکیم کی ایک آیت نقل کی جس کے آخر میں ہے :

"وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

یعنی: "پروردگار! ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

"قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا" (17)

یعنی: "اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچائیں۔"

گویا آخرت میں عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ تاہم انبیاء کی دعوت اس سے وسیع تر، عظیم تر، عمیق تر اور جامع تر ہے۔ انبیاء کا تربیت یافتہ انسان بہر حال آخرت میں بھی نجات یافتہ قرار پاتا ہے۔ ویسے جنت ہو یا جہنم، اپنے تمام تر درجات کے ساتھ انسان کے اچھے یا برے اعمال کے اُخروی تشکل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(6) دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو مخاطب کر کے فرمایا:

"يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔۔۔" (18)

یعنی: ''اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس انسانوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر۔''

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

'' اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى'' (19)

یعنی: ''عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے نزدیک ترین ہے۔''

ایسی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش انبیاء کی جدوجہد اور پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم نے شروع میں وجہ بعثت انبیاء کے حوالے سے سورہ بقرہ کی جو آیہ مجیدہ نقل کی تھی اس میں بھی فرمایا گیا ہے۔

''وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔''

انبیاء کے ساتھ ہم نے برحق کتاب نازل کی تاکہ اس کے مطابق وہ لوگوں کے اختلافات دور کر سکیں اس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکیں۔

اب رہا یہ سوال کہ دنیا میں عدل وقسط کا قیام کس طریقے سے ہو تو یہ حالات اور شرائط زمان و مکان سے مربوط ہے۔ انبیاء کے اپنے ہاتھوں میں بھی حکومتیں رہی ہیں جیسے خود حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی مثال ذکر کی جاسکتی ہے۔ وہ کسی کو بھی یہ منصب سونپ سکتے ہیں جیسے جناب طالوت کو ایک مرحلے پر قیادت سونپی گئی۔ حکمت عملی کے تحت کوئی اور صورت بھی ممکن ہے۔ دراصل خود حکومت کا قیام انبیاء کا بلاواسطہ مقصد نہیں ہوتا لیکن معاشرے پر عدل کی حکمرانی اور ظلم کا خاتمہ قانون عدل کی بالادستی کے بغیر متصور نہیں۔

نمونہ عمل کی ضرورت

جانوروں میں سے جو اجتماعی زندگی گزارتے ہیں ان کے کام جبلی طور پر ہوتے ہیں۔ خود اُن کا ارادہ ان کاموں میں کارفرما نہیں ہوتا۔ انسان چونکہ فاعل مختار ہے اس لیے اُسے اجتماعی زندگی کے امور خود اپنے ارادے سے انجام دینا ہوتے ہیں لیکن اسی کے بارے میں امکان ہے کہ وہ اپنے فریضے میں کوتاہی کرے گا یا اس کے برخلاف کام کرے گا۔ انسان اپنے انفرادی مفاد کی فکر میں رہتا ہے۔ لہٰذا اسے قانونی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے سدھارنے اور سدھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء انسانوں کے لیے اچھے معاشرتی

قوانین اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات لے کر آتے ہیں اور خود ان قوانین پر عمل کرتے اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک نمونہ عمل بھی بن جاتی ہے۔ نمونہ عمل در حقیقت انسان کے اندر ایک جذبۂ عمل پیدا کرنے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ انبیاء اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کا عمل ان کی فکر اور تعلیم کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

اس طرح سے وہ نافقط انسانی عقلوں کو اپیل کرتے ہیں بلکہ انسانی دلوں کو بھی انگیخت کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی زبان سے ہی انذار و تبشیر کا کام نہیں کرتے بلکہ ایک صورت عمل بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کے دل پر ان کی باتیں اثر کرتی ہیں وہ دنیا سے بظاہر چلے بھی جاتے ہیں لیکن ان کا عمل انسانوں کے اندر بیداری اور حرکت کا پیغام بن کر زندہ رہتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ انبیا نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔ آج بھی انبیاء کی جو وراثت انسانی تہذیب اور معاشرے میں باقی ہے وہ انسانی تربیت اور تکامل میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر انبیاء کی کتب اور تعلیمات انسانی معاشرے سے آج بھی نکل جائیں تو روح انسانیت فنا ہو جائے۔ انسان بالکل درندہ بن جائے اور ہر قوی کمزور کو کھا جائے۔ اپنا اجتماعی فریضہ جان کر بھی امکان ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔ نبی اجتماعی فریضے کی پہچان میں بھی مدد کرتا ہے اور انسان میں ایمان کی قوت پیدا کرکے اس پر عمل پر بھی ابھارتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ سورہ النباء: ۱، ۲

2۔ بقرہ: ۲۱۳

3۔ روم: ۳۰

4۔ بقرہ: ۱۲۹

5۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱

6۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۷، ۸۹

7۔ آل عمران: ۱۰۳

8۔ بیہقی (۴۵۸)، السنن الکبری، بیروت، لبنان، دار الفکر، ج ۱۰، ص ۱۹۲)

9۔ ذاریات: ۵۶

10۔ غالب، اسد اللہ خان: دیوان غالب، تصحیح: حامد علی خان (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، جنوری ۲۰۰۷) ص ۱۰۲

11۔ بقرہ۔ ۲۰۰

12۔ کلینی (۳۲۹) الکافی، تہران، ایران، دار الکتب الاسلامیۃ، طبع ۱۳۶۵ش، ج ۲، ص ۳۱۵

13۔ آل عمران: ۱۶

14۔ ری شہری، محمدی: میزان الحکمہ (تہران، مکتب الاعلام الاسلامی، اردی بہشت، ۱۳۶۷ھ ش) ج ۳، ص ۲۸۵
اس مقام پر جناب ری شہری نے اس مفہوم کی کئی ایک احادیث درج کی ہیں۔

15۔ کلینی، شیخ محمد بن یعقوب: الکافی (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵ھ ش) ج ۵، ص ۴۹۴

16۔ قصص: ۷۷

17۔ تحریم: ۶

18۔ ص: ۲۶

19۔ مائدہ۔ ۸

کفار کی طہارت ونجاست (۲)

سید مزمل حسین نقوی*

اہل کتاب کی نجاست پر ایک دلیل اجماع بیان کی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس، ان کی طہارت کے فتوے میں بھی اجماع کا سہارا لیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا کے مطابق، کفار کی نجاست پر اجماع کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ یہ اجماع قطعی نہیں ہے۔ نیز، اگر اجماع کا مدرک نقل ہوا ہو تو بھی اجماع حجت نہیں ہوتا۔ اب چونکہ اہل کتاب کی نجاست پر قرآن اور سنت سے بھی استدلال کیا گیا ہے، لہٰذا یہ اجماع، اجماع ہونے کے لحاظ سے حجت نہیں ہے۔

بالفرض یہ اجماع صحیح بھی ہو تو بھی اس کے مقابلے میں اہل کتاب کی طہارت پر دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم آیا ہے: ”آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں؛ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے۔“ البتہ مذکورہ استدلال صرف اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب طعام سے مراد کھانا ہو۔ بہر صورت، اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور ان کی دلالت بھی واضح ہے۔ اور اگر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہو تو نجاست پر دلالت کرنے والی روایات کراہت پر حمل ہوں گی۔

اور اگر ہمیں اس باب میں نقلی دلائل سے کوئی واضح حکم نہ ملے تب بھی عملی اصول اور فقہی قواعد کی رو سے بھی قاعدۂ طہارت جاری کرتے ہوئے ہم اہل کتاب کی طہارت کا نتیجہ لے سکتے ہیں۔ رہی بات مشرکین کی طہارت ونجاست کی، تو اس حوالے سے اگرچہ متأخرین میں سے بعض فقہاء اس مسئلہ میں تردد کا شکار ہیں، لیکن شیعہ فقہا کی اکثریت مشرکین کی ذاتی نجاست کی قائل ہے۔ بہت کم فقہاء ایسے ہیں جنہوں نے مشرکین کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔

*۔ڈائریکٹر ریسرچ، البصیرہ، اسلام آباد

۳۔اہل کتاب کی نجاست کی تیسری دلیل اجماع بیان کی جاتی ہے، شریف مرتضٰی لکھتے ہیں:

"ومما انفردت به الامامية: القول بنجاسة سؤر اليهودي والنصراني وكل كافر۔۔۔ويدل على صحة ذلك مضافاً الى اجماع الشيعة عليه قوله جل ثناؤه انما المشركون نجس" (1)

یعنی: " یہودی، عیسائی اور ہر کافر کا جھوٹا نجس ہے، یہ نظریہ امامیہ کے منفردات میں سے ہے۔۔۔اجماع کے علاوہ اس پر خدا کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ مشرکین نجس ہیں۔"

شیخ طوسی کہتے ہیں:

"وايضا اجمع المسلمون على نجاسة المشركين والكفار اطلاقاً" (2)

یعنی: " تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مشرکین اور کافر نجس ہیں۔"

ابن زہرہ حلبی کہتے ہیں:

"والثعلب والارنب نجسان بدليل الاجماع المذكور والكافر نجس بدليله ايضا۔" (3)

یعنی: " لومڑی اور خرگوش نجس ہیں کیونکہ ان کی نجاست پر اجماع ہے اور اسی دلیل (اجماع) کی بنا پر کافر بھی نجس ہے۔"

بعض فقہاء جو سمجھتے ہیں کہ قرآن اور روایت سے اہل کتاب یا دوسرے کفار کی نجاست ثابت نہیں ہوتی وہ بھی نجاست کے سلسلے میں اجماع کا سہارا لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام خمینیؒ اور آیت اللہ العظمٰی خوئیؒ نے باقی ادلہ کو رد کر دیا ہے۔ صرف اجماع پر انحصار کیا ہے۔ امام خمینیؒ کہتے ہیں:

" فتحصل من جميع ذلك ان لا دليل على نجاست اهل الكتاب ولاالملحدين ماعداالمشركين بل هي مقتضى الاخبار الكثيرةالدالة على جواز تزويج الكتابية واتخاذها ظئرا و تغسيل الكتابي للميت المسلم بعض الاحيان الى غير ذلك ويويدها مخالطة الائمة عليهم السلام وخواصهم مع العامةالغيرالمتحرزين عن معاشرتهم فالمسألة مع هذه الحال التى تراها لا ينبغي وقوع خطا عمن له قوم في الصناعة فيها فضلا عن اكابر اصحاب الفن۔۔۔۔" (4)

یعنی: " ان تمام مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے مشرکین کے نہ اہل کتاب کی نجاست پر کوئی دلیل ہے نہ ملحدین کی، بلکہ اکثر روایات دلالت کرتی ہیں کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے اور اسے

دایہ بنانا جائز ہے اور بعض مقامات پر کتابی کا مسلمان میت کو غسل دینا جائز ہے وغیرہ۔ نیز اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ ائمہ معصومینؑ اور آپ کے ساتھی ان لوگوں سے ملتے تھے جو اہل کتاب کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان افراد کی طرف خطا کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے جو اس فن کے ماہر ہیں خصوصاً ہمارے اکابر علماء۔۔۔"

آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ کہتے ہیں:

" ومن هنا يشكل الافتاء على طبق اخبار النجاسة الا ان الحكم على طبق روايات الطهارة اشكل لان معظم الاصحاب من المتقدمين والمتاخرين على نجاسة اهل الكتاب فالاحتياط اللزومي مما لا مناص عنه في المقام" (5)

یعنی: " اسی وجہ سے روایات نجاست کے تحت فتوی دینا مشکل ہے اور روایات طہارت کے تحت حکم لگانا اور بھی مشکل تر ہے کیونکہ متقدمین اور متاخرین میں سے اکابر فقہاء اہل کتاب کی نجاست کے قائل ہیں لہٰذا احتیاط واجب یہی ہے۔ اس مقام پر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

دلیل اجماع بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

(i) متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے فقہاء اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں۔

ابن جنید کہتے ہیں:

" ولو تجنب من اكل ما صنعه اهل الكتاب من ذبائحهم وفي آنيتهم وكذلك ما صنع في اوانى مستحلى الميتة ومواكلتهم مالم يتيقن طهارة اوانيهم وايديهم كان احوط" (6)

یعنی: " احتیاط یہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبائح اور ان کے برتنوں سے اجتناب کیا جائے۔ اسی طرح جو مردار کو حلال سمجھتے ہیں ان کے برتنوں اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز کیا جائے۔ جب تک ان کے برتنوں اور ہاتھوں کی طہارت کا یقین نہ ہو جائے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اگر ہاتھوں کو دھو لیں تو پاک ہیں۔ اگر ذاتی نجاست ہوتی تو دھونے سے کیسے پاک ہو سکتی تھی۔

شیخ مفیدؒ کا قول نقل کرتے ہوئے محقق حلی کہتے ہیں:

" للمفید قولان احدھما النجاسة ذکرہ فی اکثر کتبہ والآخر الکراھیة ذکرہ فی الرسالة الغریة (7)"

یعنی: "اس کے بارے میں شیخ مفید کے دو قول ہیں۔ ایک نجاست کا جو انھوں نے اپنی اکثر کتب میں ذکر کیا ہے۔ دوسرا کراھت کا جو رسالہ الغریہ میں ذکر کیا ہے۔"

شیخ طوسی کہتے ہیں:

" ویکرہ ان یدعو الانسان احدًا من الکفار الی طعامہ فیأکل معہ فان دعاہ فلیأمرہ بغسل یدیہ ثم یاکل معہ انشاء اللہ۔" (8)

یعنی: " مکروہ ہے کہ انسان کفار کو کھانے کی دعوت دے اور ان کے ساتھ مل کر کھائے۔ اگر بلاتا ہے تو انھیں ہاتھ دھونے کے لیے کہے پھر اس کے ساتھ کھا سکتا ہے۔"

سید محمد موسوی عاملی نے اگرچہ صراحت کے ساتھ اہل کتاب کی طہارت کا فتویٰ نہیں دیا لیکن نجاست کی ادلہ کو رد کرتے ہیں اور طہارت کی ادلہ کی تائید کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

" ویمکن الجمع بین الاخبار باحدامرین: اما حمل ھذہ علی التقیة اوحمل النھی فی الاخبار المتقدمہ علی الکراھة ویشھد للثانی مطابقتہ لمقتضی الاصل۔۔۔" (9)

یعنی: " ان روایات کو دو طریقوں سے جمع کیا جا سکتا ہے یا ان روایات طہارت کو تقیہ پر محمول کریں یا روایات نجاست میں موجود نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ دوسری وجہ بہتر ہے کیونکہ اصل اسی کا تقاضا کرتی ہے۔"

ملا محسن فیض کاشانی کہتے ہیں:

یعنی: " مذکورہ احادیث اہل کتاب کی نجاست پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ اولاً تو یہ نہی ان کے خبث باطنی کی وجہ سے ہو دوسرا یہ کہ بہت سی احادیث میں اہل کتاب سے اجتناب کی وجہ یہ تھی کہ وہ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے تھے نہ کہ ان کی ذاتی نجاست کی وجہ سے۔" (10)

رضا ہمدانی کہتے ہیں:

" والحاصل انہ لا یجوز طرح الاخبار الدالة علی الطھارة او المؤیدة لھا التی لا تتنا ھی کثرة بمثل ھذہ التلقیقات التی تشبث بھا القائلون بالنجاسة۔" (11)

یعنی: " خلاصہ یہ کہ صحیح نہیں ہے کہ ان روایات کو چھوڑ دیا جائے جو طہارت پر دلالت کرتی ہیں یا کم از کم ان کی تائید کرتی ہیں۔ صرف ان توجیہات کی بناپر جو نجاست کے قائل افراد نے کی ہے۔"

اہل کتاب کی طہارت و نجاست کے متعلق پوچھے گئے فتویٰ کے بارے میں سید محسن الحکیمؒ نے جواب دیا:

" الکتابی طاھرا اذا کان طائراً من النجاسات التی یساورھا کالبول والمنی والدم والخمر وغیرھا

فاذا کان طاھرا من ھذہ النجاسات کان سورھا طاھرا ویجوز اکل طعامہ وشرابہ۔" (12)

یعنی: " اہل کتاب پاک ہے جب وہ پیشاب، منی، خون، شراب جیسی ظاہری نجاسات سے پاک ہو۔ جب وہ ان نجاسات سے پاک ہو تو اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔"

رہبر معظم سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی طہارت اہل کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

" النجاسة الذاتية لاهل الكتاب غير معلومة بل نرى انهم محكومون بالطهارة ذاتاً۔" (13)

"اہل کتاب کی نجاست ذاتیہ پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ذاتاً پاک ہیں۔"

آیت اللہ فاضل لنکرانی کہتے ہیں:

"کافر جو کہ خدا کا اعتقاد نہیں رکھتا یا خدا کے لیے شریک قرار دیتا ہے یا رسول عربیؐ کی نبوت کا قائل نہیں ہے نجس ہے مگر اہل کتاب پاک ہیں۔" (14)

آیت اللہ سیستانی مد ظلہ العالی کہتے ہیں:

یعنی: " اہل کتاب جو کہ آنخضرتؐ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں مشہور قول کی بناپر نجس ہیں لیکن ان کی طہارت کے قائل ہونا بعید نہیں ہے۔" (15)

آیت اللہ محمد صادق روحانی کہتے ہیں:

یعنی: " اہل کتاب یعنی یہود، نصاری اور مجوسی پاک ہیں۔" (16)

آیت اللہ وحید خراسانیؒ کہتے ہیں:

" اما اهل کتاب یعنی یهودی و نصاری اقوی طهارت آنها است هرچند احوط اجتناب است" (17)

یعنی: " اس کے علاوہ بھی کئی فقہاء نے اہل کتاب کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے طوالت کے خوف سے ان کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہیں۔ پس اتنے فقہاء کی مخالفت کے باوجود کیسے کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ کا اجماع ہے۔"

(ii)اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اجماع وہی حجت ہے جو امام معصومؑ کی رائے کو کشف کرے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجماع قطعی ہو۔ جبکہ مذکورہ اجماع ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک تو بہت سے فقہاء اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں دوسرا یہ کہ وہ فقہا جو نجاست کے قائل ہیں ان میں سے بھی بہت سے فقہا اس دلیل میں تردد کا شکار ہیں۔ اسی لیے تو اجماع کے علاوہ آیات اور روایات کا سہارا لیا ہے۔ پس جب اجماع قطعی نہیں ہے تو رائے معصوم کا قطع بھی نہیں ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہے۔

(iii) علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اجماع حجت ہے جس سے امام معصوم سے حکم کے صدور کا یقین ہو اور مدرک نہ ہو۔ کیونکہ اگر اجماع کس مدرک کی بنا پر ہو تو اسی مدرک کو دیکھا جائے گا۔ اجماع کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مدرک قابل اعتبار ہے تو اس پر عمل ہو گا وگرنہ نہیں اور یہاں اجماع مدد کی ہے کیونکہ نجاست اہل کتاب پر قرآن اور روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

اہل کتاب کی طہارت کے دلائل

الف۔ قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے:

" الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ " (18)

یعنی: "آج تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اس آیت میں اہل کتاب کے کھانے کو مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کھانے پاک ہیں کیونکہ نجس کھانے حلال نہیں ہوتے۔ کھانے کے ساتھ ان کا بدن مس ہوتا ہے۔ اگر وہ نجس ہوتے تو کھانے بھی نجس ہو جانے اور برتن بھی۔ جب کھانا اور برتن مس کرنے کے بعد بھی پاک ہیں تو پھر اہل کتاب بھی پاک ہیں۔

مذکورہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب طعام سے مراد کھانا ہو۔ اگر اس سے مراد خشک غلہ ہو تو پھر استدلال صحیح نہیں ہے۔ بعض افراد کہتے ہیں کہ طعام سے مراد غلات ہیں اور اس کے لیے انھوں نے اہل لغت اور بعض روایات کا سہارا لیا ہے محقق بحرانی کہتے ہیں:

" فان الظاهر من الاخبار المويدة بكلام جملة من افاضل اهل اللغة هو تخصيص ذ لك بالحنطة وغيره ها من الحبوب اما حقيقة او تغليبا بحيث غلب استعماله فيها" (19)

یعنی: ''اخبار و روایات سے جو ظاہر ہوتا ہے اور اہل لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ طعام سے مراد گندم اور دالیں وغیرہ ہیں۔ طعام کا حقیقی یا غالبی معنی یہی ہے۔''

صاحب الجواہر کہتے ہیں:

لا ینبغی الاصغاء للاستدلال علی الطہارۃ ایضا بقولہ تعالیٰ ''وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔۔۔''بعد ورود الاخبار المعتبرۃ وفیہا الصحیح والموثق وغیرہ بارادۃ العدس والحبوب والبقول من الطعام سیما مع تائید ہا بما عن المصباح المنیر انہ اذا اطلق اہل الحجاز الطعام عنویہ البرخاصۃ۔۔۔'' (20)

یعنی: ''اہل کتاب کی طہارت پر خداوند کریم کے قول (و طعام الذین) ان کے کھانے تمھارے لیے حلال ہیں سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سی صحیح اور موثق روایات میں طعام سے مراد دال، غلات اور سبزیاں لی گئی ہیں اور اس کی تائید مصباح المنیر کا یہ قول بھی کرتا ہے کہ جب اہل حجاز جب طعام کہتے ہیں تو اس سے مراد گندم لیتے ہیں۔''

محقق اردبلی کہتے ہیں:

یعنی: ''آیت طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اہل کتاب کی طہارت پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ طعام فی نفسہ حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے۔ یہ نجاست کے ملنے کی وجہ سے نجس ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ اہل لغت کہتے ہیں کہ طعام سے مراد گندم ہے۔'' (21)

روایات

(i)قتیبہ الاعشی کہتے ہیں کہ ایک شخص امام صادقؑ سے ''الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم'' کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ''کان ابی علیہ السلام یقول انما ھو الحبوب واشباھا'' (22) یعنی: ''میرے والد کہتے تھے کہ اس سے مراد غلات وغیرہ ہیں۔''

(ii)ابی جارود کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے طعام الذین اوتوا الکتاب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: '' الحبوب والبقول'' (23) یعنی: '' دالیں اور سبزیاں''

ہشام بن سالم روایت کرتے ہیں کہ امام صادقؑ سے وطعام الذین اوتوا۔۔۔کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''العدس والحمص وغیر ذلك'' (24) یعنی: '' غلات اور دالیں وغیرہ'' جواب: ہم کتب لغت کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کسی بھی اہل لغت نے طعام کے معانی غلہ یا دالیں نہیں کیا بلکہ اس کے معنی کھانے کے کیے ہیں ہاں بعض اوقات اس سے گندم مراد لی گئی ہے۔ البتہ یہ بھی درحقیقت ایک مصداق ہے نہ معنی۔

جواہری کہتے ہیں:

'' الطعام ما یوکل و ربما خص بالطعام البر وفی حدیث ابی سعید ﷺ کنا نخرج صدقة الفطر علی عهد رسول الله(ص) صاعاً من طعام'' (25)

یعنی: '' طعام ہر اس شے کو کہتے ہیں جو کھائی جائے بعض اوقات اسے گندم کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے جیسا کہ ابی سعید کی روایت ہے کہ ہم رسول خداؐ کے دور میں گندم کا ایک صاع فطریہ کے طور پر دیتے تھے۔''

ابن فارس زکریا کہتے ہیں: '' الطعام هو الماکول وکان بعض اهل اللغة یقول الطعام هو البر خاصة وذکر حدیث ابی سعید'' (26) یعنی: '' طعام ہر کھانے والی شے کو کہتے ہیں، بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ طعام صرف گندم کو کہتے ہیں۔ اس دلیل میں وہ ابی سعید کی روایت کو ذکر کرتے ہیں۔''

ابن اثیر کو کہتے ہیں: ''الطعام عام فی کل ما یقتات من الحنطة والشعیر والتمر وغیر ذلك ''یعنی: '' گندم، جو، کھجور وغیرہ میں سے جو شے کھائی جاتی ہے اسے طعام کہتے ہیں۔'' (27)

خلیل فراھیدی کہتے ہیں: '' الطعام جامع لکل ما یؤکل'' (28) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

شیخ طریحی کہتے ہیں: ''الطعام ما یؤکل'' (29) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

ابن منظور کہتے ہیں: '' الطعام اسم جامع لکل ما یؤکل'' (30) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

قرآن کریم میں لفظ طعام مذکورہ آیت کے علاوہ ۲۱ بار آیا ہے۔ یہاں ان آیات کو ذکر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ غالب طور پر کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(i) '' وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نَّصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا'' (31)

یعنی: ''اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزیں فراہم کرے۔ جیسے ساگ، ککڑی، لہسن، گیہوں، مسور اور پیاز وغیرہ''

اس آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ غلات اور سبزیوں کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی طعام بولا گیا ہے۔

(ii) '' مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ '' (32)

یعنی: ''عیسی ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں، دونوں کھانا کھاتے ہیں۔''

(iii) '' وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ '' (33)

یعنی: '' اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسولؐ ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔''

(iv) '' وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ '' (34)

یعنی: '' اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔''

(v) ''وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا '' (35)

یعنی: '' اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

(vi) '' كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ '' (36)

یعنی: '' بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کا کھانا حلال تھا مگر ان چیزوں کے جو تورات کے نازل ہونے سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر دی تھیں۔''

(vii) ''وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ '' (37)

یعنی: ''اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''

(viii) '' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا '' (38)

یعنی: '' اے ایمان والوں نبی کے گھر میں داخل نہ ہو نا مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی اجازت دی جائے اور نہ ہی پکنے کا انتظار کرو لیکن جب دعوت دی جائے تو داخل ہو جاؤ۔''

(ix) '' قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا '' (39)

یعنی: " یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمھیں دیا جاتا ہے وہ نہیں آئے گا اور میں تمھیں اس سے پہلے تعبیر بتا دوں گا۔"

(x)" فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ" (40)

یعنی: " اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بھی خراب نہیں ہوا۔"

واضح ہے کہ ان آیات میں طعام سے مراد کھانا ہے نہ کہ گندم یا دوسرے غلات۔ بالفرض اگر طعام کا معنی گندم یا دوسرے غلات ہیں تب بھی قرآن میں دوسری جگہوں پر طعام جس معنی میں استعمال ہوا ہے سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت میں بھی وہی معنی مراد لیا جائے گا۔ رہا روایات میں گندم یا دالوں کا ذکر تو یہ ایک مصداق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض میں سبزیاں کا ذکر ہے، بعض میں دالوں کا اور بعض میں گندم کا۔ اس سلسلے میں درج ذیل روایات بھی قابل غور ہے۔

اسماعیل بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے اہل کتاب کے کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا مت کھائو۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا مت کھا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا:

" لا تأكله ولا تتركه تقول انه حرام ولكن تتركه تنزها عنه ان في انيتهم الخمر ولحم الخنزير" (41)

یعنی: " نہ کھاؤ اور یہ کہتے ہوئے ترک نہ کرو کہ یہ حرام ہے بلکہ اس وجہ سے اجتناب کرو چونکہ ان کے برتنوں میں شراب اور خنزیر کا گوشت ہوتا ہے۔"

دوسرا یہ کہ اگر طعام سے مراد گندم اور دالیں ہوں تو آیت میں اس کا ذکر غیر ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں پاک ہیں اور طیبات کے تحت آجاتی ہیں الیوم احل لکم الطیبات پس دوبارہ ان کا ذکر غیر ضروری ہے۔ پھر یہ بھی کہ گندم اور دوسرے غلات تو مشرکین سے بھی لیے جا سکتے ہیں پھر اہل کتاب کی قید لگانا معقول نہیں ہے۔

اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات

اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ فقہاء جو اہل کتاب کی نجاست کے قائل ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں صحیح اور معتبر روایات بھی ہیں اور دلالت کے لحاظ سے روایات نجاست سے واضح تر بھی ہیں۔ صاحب الجواہر کہتے ہیں:

یعنی: " یہ روایات جو نجاست پر دلالت کرتی ہیں اگرچہ ان روایات سے کم ہیں جو طہارت پر دلالت کرتی ہیں، نیز ان روایات میں صحیح اور معتبر روایات بھی ہیں بلکہ اگر امامیہ کے نزدیک نجاست کا حکم معلوم نہ ہوتا تو ان پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہوتا۔" (42)

اب ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

ا۔ عیص ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے یہودی، عیسائی اور مجوسی کے ساتھ کھانا کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"ان کان من طعامك فتوضا فلا بأس به" (43)

یعنی: " اگر کھانا آپ کا ہو اور وہ ہاتھ دھولے تو کوئی ہرج نہیں۔"

ہاتھوں کو دھونے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ دھونے سے اس کے ہاتھ پاک ہو جائیں گے۔ اس کا پاک ہونا ذاتی نجاست کے منافی ہے۔ پس معلوم ہوا وہ ذاتی طور پر نجس نہیں ہیں کیونکہ ذاتی نجاست دھونے سے پاک نہیں ہوتی۔

آیت اللہ محسن الحکیم اس روایت کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یعنی: " اس روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا جائز ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک برتن میں مل کر کھانا جائز ہے۔ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا ان کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ہاتھوں کا دھونا بھی در حقیقت کھانے کے آداب میں شامل ہے۔ اس لیے کہا ہے نہ کہ پاک ہونے کے لیے۔" (44)

یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاً کوئی شخص نجس العین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتا۔ دوسرا یہ بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ نجاست بدن برتنوں اور دستر خوان کی طرف سرایت نہ کرے خصوصاً جبکہ وہ گیلے بھی ہو۔ انھیں ہاتھوں کے دھونے کے متعلق کہنے سے نجاست تو سرایت کر جائے گی۔

۲۔ ابراہیم ابن ابی محمود کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے کہا:

"الجارية النصرانية تخدمك وانت تعلم انها نصرانية لا تتوضا ولا تغتسل من جنابة قال: لا باس تغسل يديها۔" (45)

یعنی: ”آپ کی خدمت کرنے والی کنیز عیسائی ہے اور آپ جانتے بھی ہیں کہ وہ عیسائی ہے وضو اور غسل جنابت نہیں کرتی فرمایا کوئی بات نہیں وہ ہاتھ دھو لیتی ہے۔“

۳۔ابراہیم ابن ابی محمود کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے عرض کیا:

”الخیاط او القصار یکون یهودیا او نصرانیاً و انت تعلم انه یبول ولا یتوضا ما تقول فی عمله قال لا بأس“ (46)

یعنی: ” درزی یا رنگساز جو کہ یہودی یا عیسائی ہے اور آپ جانتے بھی ہیں کہ وہ پیشاب کرتا ہے اور دھوتا نہیں ہے اس کے کام کے متعلق کیا فرماتے ہیں فرمایا کوئی حرج نہیں۔“

اسی روایت کے ذیل میں آیت اللہ خوئیؒ کہتے ہیں:

” درزی کی مثال سے اہل کتاب کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگرچہ وہ ذاتی طور پر نجس ہے لیکن جس لباس کو سی رہا ہے وہ نجس نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ لباس کو اس نے گیلے ہاتھوں سے نہ چھوا ہو۔ البتہ رنگساز کے ہاتھ تو یقیناً گیلے ہوتے ہیں اور انہی ہاتھوں سے کپڑوں کو چھوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات اہل کتاب کی طہارت ذاتیہ پر دلالت کرتی ہے۔“

۴۔ محمد ابن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے اہل کتاب کے برتنوں کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

”لا تأکلوا فی انیتهم اذا کانوا یاکلون فیه المیتة و دم و لحم الخنزیر“

یعنی: ” ان برتنوں میں نہ کھاؤ جن میں وہ مراد، خون اور سوٗر کا گوشت کھاتے ہیں۔(47)

اس روایات کے مطابق ان برتنوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے جن میں نجس غذائیں استعمال نہیں ہوتیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود اہل کتاب نجس نہیں ہیں۔ ان کی وہ چیز نجس ہیں جن میں وہ نجس اشیاء استعمال کرتے ہیں۔

۵۔ عمار ابن موسیٰ ساباطی کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کیا اس پیالے یا برتن کے پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے جس میں یہودی نے پانی پیا ہو؟ فرمایا:

”نعم فقلت من ذلك الماء الذی یشرب منه قال نعم“ (48)

یعنی: ” ہاں میں نے کہا اس پانی سے جس سے اس نے پیا ہے فرمایا ہاں۔“

یہودی کے جھوٹے پانی سے وضو کا صحیح ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی نجس نہیں ہوا۔ جب پانی نجس نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے۔ یہودی نجس نہیں ہے۔

۶۔ابن سنان کہتے ہیں کہ میرے والد نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ میں نے ذمی کو اپنا لباس عاریۃ دیا تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شراب پیتا ہے اور خنزیر کا گوشت کھاتا ہے جب وہ واپس دیتا ہے تو کیا اس میں نماز پڑھنے سے پہلے دھونا ضروری ہے فرمایا:

"صل فیہ ولا تغسلہ من اجل ذلك فانك اعرته ایاہ وھو طاھر ولم تستیقن انہ نجسہ فلا باس ان تصلی فیہ حتی تستیقن انہ نجسہ" (49)

یعنی: "اس میں نماز پڑھ لو، اس وجہ سے اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تو نے دیا تھا تو پاک تھا اور تمھیں اس کے نجس ہونے کا یقین نہیں ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نجس ہونے کا یقین ہو جائے۔"

۷۔زکریا ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا کہ ہم اہل کتاب میں سے تھے، میں مسلمان ہو گیا ہوں جبکہ باقی گھر والے عیسائی ہیں۔ میں ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں۔ ان سے جدا نہیں ہو سکتا، کیا ان کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہوں۔ فرمایا کیا وہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں البتہ شراب پیتے ہیں، فرمایا ان کے ساتھ کھا پی سکتا ہے۔ (50)

۸۔ابن وھب کہتے ہیں کہ امام صادقؑ سے اس مرد مومن کے متعلق پوچھا گیا جو یہودیہ اور عیسائی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہے تو فرمایا:

"اذا اصاب المسلمۃ فما یصنع بالیہودیۃ النصرانیۃ ؟ فقلت لہ: یکون لہ فیھا الھویٰ فقال ان فعل فلیمنعھا من شرب الخمر واکل الخنزیر" (51)

یعنی:- "جب مسلمان خاتون موجود ہے تو پھر یہودیہ اور نصرانیہ کیوں؟ میں نے کہا اسے وہ پسند ہیں۔ فرمایا اگر وہ عقد کرتا ہے تو اسے شراب پینے اور خنزیر کا گوشت کھانے سے منع کر دے۔"

ان کے علاوہ اور بھی روایات موجود ہیں جو اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں جنھیں احادیث کی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

روایات کا نتیجہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روایات طہارت تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور ان کی دلالت بھی واضح ہے۔ اس کے باوجود اگر دونوں قسم کی روایات کو برابر مان لیا جائے تو تعارض کی صورت میں

جمع عرفی ممکن ہے۔ اس طرح کہ روایات نجاست میں موجود نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ یہ جمع عرفی اس قدر واضح ہے کہ وہ فقہاء جو نجاست اہل کتاب کے قائل ہوئے ہیں وہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس سے انکار کو غیر معقول سمجھتے ہیں، آیت اللہ خوئی کہتے ہیں:

"ان القاعدہ تقتضی العمل باخبار الطہارۃ وحمل اخبار النجاسۃ علی الکراھۃ واستحباب التنزہ عنھم" (52)

یعنی: "قاعدے کی رو سے اخبار طہارت پر عمل ضروری ہے اور اخبار نجاست کو کراہت پر محمول کیا جائے اور ان سے اجتناب مستحب ہے۔"

آیت اللہ خمینیؒ کہتے ہیں:

"مقتضی الجمع بینھما و بین ما تقدم حمل النھی علی الکراھۃ لاحتمال النجاسۃ العرضیہ۔۔۔" (53)

یعنی: "ان روایات اور سابقہ روایات کے درمیان جمع اس طرح ہو سکتی ہے کہ نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے کیونکہ نجاست عرضیہ (یعنی گندگی) کا بھی احتمال ہے۔"

قاعدہ طہارت

اگر کسی شئے کے حکم واقعی پر کوئی نقلی دلیل موجود نہ ہو تو فقہی قواعد اور اصول عملیہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر ہم قرآن و سنت کے لحاظ سے گذشتہ ادلہ کو ناکافی سمجھتے ہیں تو اصل عملیہ اور قواعد فقیہ کی رو سے اہل کتاب پاک ہیں، کیونکہ قاعدہ طہارت کی رو سے جب کسی شئے کی نجاست اور طہارت میں شک ہو تو وہ شئے پاک ہے۔

طہارت و نجاست مشرکین

حقیقت مشرک

مشرک ایک ایسا عام مفہوم ہے جو درج ذیل قسم کے افراد پر بولا جاتا ہے۔

۱۔ وہ افراد جو خدا کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک قرار دیتے ہیں جیسا کہ بت پرست افراد ہیں۔

۲۔ وہ افراد جو خالقیت، ربوبیت، تدبیر عالم میں خدا کے ساتھ کسی اور شریک ٹھہراتے ہیں۔

شیعہ فقہا کی اکثریت مشرکین کی نجاست ذاتیہ کی قائل ہے۔ حتیٰ کہ وہ فقہاء جو اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں ان میں سے بھی بہت سے افراد مشرکین کی نجاست کے قائل ہیں۔ متاخرین میں سے بعض

فقہاء اس مسئلہ میں تردد کا شکار ہیں اور مشرکین کی نجاست پر دلالت کرنے والی ادلہ کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ اسی لیے احتیاط واجب کے عنوان سے انھیں نجس سمجھتے ہیں۔ بہت کم فقہاء ایسے ہیں جنھوں نے مشرکین کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔

ادلہ نجاست مشرکین

ان کی نجاست کے لیے انہی ادلہ کا سہارا لیا گیا ہے جن سے اہل کتاب کی نجاست پر استدلال کیا گیا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مذکورہ ادلہ نجاست پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعض فقہاء نے آیت: كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (۶۔انعام :۱۲۵) سے بھی استدلال کیا ہے۔

علامہ حلیؒ کہتے ہیں:

"ویمکن ان یکون مأخذھما قولہ کذلك یجعل۔۔والرجس، النجس" (54)

یعنی: "ممکن ہے ان دونوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہو کہ اس طرح اللہ غیر مومنوں پر رجس کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور رجس کے معنی نجس کے ہے۔"

امام خمینیؒ مشرکین کی نجاست کی ادلہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ

"كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ"

کیونکہ رجس نجاست کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن میں

"لحم خنزیر فانہ رجس"

یعنی: "خنزیر کا گوشت کہ یہ نجس ہے۔"

نیز وہ روایت بھی جس سے خیر ان خادم نے امامؑ سے پوچھا کہ اس کپڑے میں نماز پڑھی جا سکتی ہے جسے شراب لگی ہو یا خنزیر کا گوشت لگا ہو فرمایا:

"لا تصل فیہ فانہ رجس"

یعنی: "اس میں نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ نجس ہے۔"

اسی طرح صحیحہ ابی عباس ہے جس میں انھوں نے کتے کے بارے میں امام صادقؑ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

" رجس نجس لایتوضا بفضلہ" (55)

یعنی: " یہ نجس ہے اس کے جھوٹے سے وضو نہیں ہو سکتا۔"

پس معلوم ہوا رجس کے معنی نجس کے ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ لغت میں رجس کے معنی گندگی اور کثافت کے ہیں نہ کہ نجاست کے بلکہ قرآن اور احادیث میں بھی عام طور پر یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (56)

"اے ایمان والو شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب گندے شیطانی عمل ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔"

سورہ یونس میں ہے:

"وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" (57)

یعنی: " اور ان لوگوں پر خباثت کو مسلط کر دیا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے"

" فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ " (58)

یعنی: " پس تم بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو"

" وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ" (59)

یعنی: " اور جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی خباثت پر مزید خباثت کا اضافہ کر دیا ہے۔"

پس چونکہ مشرکین کی نجاست پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہذا اصل عملی یعنی قاعدہ طہارت کی رو سے وہ بھی پاک ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔شریف مرتضٰی (۴۳۶)، الانتصار، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ایران، طبع ۱۴۱۵، ص ۱۶۵ حکم سور الکافر

2۔شیخ طوسی (۴۶۰) تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، طبع دوئم، ج۱، ص ۲۲۳

3۔ابن زہرہ حلبی (۵۸۵) غنیۃ النزوع موسسہ امام صادق، قم، ایران طبع اول، ۱۴۱۷، ص ۴۴

4۔کتاب الطہارۃ، طبعۃ مہر، قم، ایران، ج ۳، ص ۳۰۶

5۔کتاب الطھارۃ، دار الھادی للمطبوعات، قم، ایران، طبع دوئم، ۱۴۱۰ھ، ج ۲، ص ۵۶

6۔شہید ثانی (۹۶۶) مسالک الافہام، موسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ایران، طبع اول ۱۴۱۷ھ، ج ۱۲، ص ۶۶

7۔محقق حلی (۶۷۶) المعتبر، موسسہ سید الشھداء، قم، ایران، طبع ۱۳۶۴ش، ج۱، ص ۹۲

8۔طوسی (۴۶۰) النھایۃ، انتشارات قدس محمدی، قم، ایران، ص ۵۸۹

9۔محمد عاملی (۱۰۰۹) مدارک الاحکام، موسسہ ال البیت لاحیاء التراث، قم، ایران، طبع اول، ۱۴۱۰ھ، ج ۲، ص ۲۹۸

10۔رضا ہمدانی (۱۳۲۲) مصباح الفقیہ، منشورات مکتبۃ الصدر طہران، ایران، ج۱، ص ۲، ص ۵۶۲

11۔رضا ہمدانی (۱۳۲۲) مصباح الفقیہ، منشورات مکتبۃ الصدر طہران، ایران، ج۱، ص ۲، ص ۵۶۲

12۔جناتی، طھارۃ الکتابی فی فتوی السید الحکیم، ص ۲۷

13۔اجوبۃ الاستفتائات، الدار الاسلامیہ، بیروت، لبنان، طبع سوئم، ۱۹۹۹ء، ج ۹۵، ص ۳۲۰

14۔توضیح المسائل، مہر، قم، ایران، طبع ۷، ص ۲۲، مسئلہ ۱۰۹، ۱۱۴

15۔توضیح المسائل، مہر، قم، ایران، طبع ۴، ص ۲۵، مسئلہ ۱۰۷

16۔توضیح المسائل، سپھر، قم، ایران، طبع ۱۸، ص ۲۱، مسئلہ ۱۰۸

17۔توضیح المسائل، مدرسہ باقر العلومؑ، قم، ایران، طبع ۱۴۲۱، ص ۲۱۰، مسئلہ ۱۰۷

18۔مائدہ: ۵

19۔محقق بحرانی (۱۱۸۶) الحدائق الناضرۃ، موسسہ النشر الاسلامی قم، ایران، ج ۵، ص ۱۷۰

20۔شیخ جواہری (۱۲۶۶) جواھر الکلام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع دوئم، ج ۶، ص ۴۳

21۔محقق اردبیلی (۹۹۳) مجمع الفائدہ، منشورات، جماعۃ المدرسین، قم ایران، ج۱، ص ۳۲۲

22۔کلینی (۳۲۰) کافی۔۔۔۔ج ۶، ص ۲۴۰، باب ذبائح اہل الکتاب، ح ۱۰

23۔کلینی (۳۲۹) کافی۔۔۔۔۔ج ۶، ص ۲۶۴)

24۔صدوق (۳۸۱) من لایحضرہ الفقیہ، منشورات، جماعۃ المدرسین، قم، ایران، ج ۳، ص ۳۴۷، ح ۴۲۱۹
25۔جواھری (۳۹۳)، الصحاح دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، طبع چہارم، ۱۹۸۷، ج ۵، ص ۱۷۲۱، طعم کے ذیل میں
26۔ابن فارس (۳۹۵) معجم مقاییس اللغۃ، مکتبۃ الاعلام الاسلامی، طبع ۱۴۰۴، ج ۳، ص ۴۱۰، طعم کے ذیل میں
27۔ابن اثیر (۶۰۶) النھایۃ فی غریب الحدیث، موسسہ اسماعیلیان، قم، ایران، ج ۳، ص ۱۲۵، باب الطامع العین
28۔ خلیل فراھیدی (۱۷۵)، کتاب العین، موسسہ دار الھجرۃ، ایران، ج ۲، ص ۲۵
29۔ شیخ طریحی (۱۰۸۵) مجمع البحرین مکتب النشر الثقافۃ الاسلامیہ، طبع دوئم، ۴۰۸
30۔ابن منظور (۷۱۱) لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، طبع ۱۴۰۵، ج ۱۲، ص ۳۶۳
31۔بقرہ: ۶۱
32۔مائدہ: ۵۷
33۔فرقان: ۷
34۔فرقان: ۲۰
35۔انسان: ۸
36۔عمران: ۹۳
37۔ماعون: ۳
38۔احزاب: ۵۳
39۔یوسف: ۳۷
40۔البقرہ: ۲۵۹
41۔احمد بن محمد برقی (۲۷۴) المحاسن، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، ج ۲، ص ۲۵۲، ح ۳۷۷
42۔ شیخ جواہری (۱۲۶۶) جواہر الکلام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع دوئم، ج ۶، ص ۴۲
43۔ کلینی (۳۲۹) کافی۔۔۔ ج ۶، باب طعام اہل الذمہ، ح ۳، ص ۲۶۳
44۔سید محسن الحکیم (۱۳۹۰) مستمسک العروۃ، منشورات مکتبۃ آیت اللہ مرعشی، قم ایران، طبع ۱۴۱۴، ج ۱، ص ۳۷۱
45۔طوسی (۴۶۰)، تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع سوئم، ج ۱، ص ۴۰۶، ح ۱۲۵۴
46۔طوسی۔۔۔ ج ۶، ص ۳۸۵، ح ۱۱۴۲
47۔طوسی۔۔۔۔ ج ۹، ص ۸۸، ح ۳۷۱
48۔طوسی (۴۶۰) الاستبصار، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع چہارم، ج ۱، ص ۱۸، ح ۳۸)

49۔طوسی۔۔۔۔ج۱، ص ۳۹۳، ح ۱۴۹۷

50۔طوسی (۴۶۰) تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع چہارم، ج۹، ص ۸۷، ح ۳۶۹

51۔کلینی،۔۔۔۔۔ج۵، ص ۳۵۶، باب، نکاح الذمہ، ح۱

52۔خوئی، کتاب الطھارۃ، دار الھادی للمطبوعات، قم، ایران، ج۲، ص ۵۵

53۔امام خمینی، کتاب الطہارت، مطبعہ مہر، قم، ایران، ج۳، ص، ۳۰۴

54۔علامہ حلی (۷۲۶) منتھی المطلب، موسسہ الطبع والنشر فی الاستانۃ، الرضویہ، مشہد، ایران، طبع اول، ۱۴۱۲، ج۱، ص ۱۶۱

55۔کتاب الطھارۃ، مطبعہ مہر، قم، ایران، ج۳، ص ۵

56۔مائدہ: ۹۰

57۔یونس: ۱۰۰

58۔حج: ۳۰

59۔توبہ: ۱۲۵

Critical Analysis of Orientalists' Qur'anic Recitation

By: Taqi Sadiqi

Consulate General, Cultural Consulate, Iran, Islamabad.

The orientalists have worked on different subjects like history, literature, translation, concepts & teachings of the Qur'an in their Qur'anic Studies. Because Orientalists' mind was just familiar with human-writing style, therefore, during the study of the Holy Qur'an, they felt that if it was committed a mistake during collecting the verses of Qur'an or some errors occurred in its composition. Here's why they worked on the history of Qur'an and -as per their own opinion- they tried to reach an original copy of the Qur'an in the light of historical studies and with the help of Sciences & Arts in Archaeology. Although they worked on Qur'anic literature, but the most of their work was a kind of footnotes. However, some of them like Gotthelf Bergstrasser, Otto Pretzl, Arthur Jeffery and Sprenger showed extraordinary activities in this respect. Several Orientalists translated the Holy Qur'an in European languages and this work was performed at two different steps. The first step consists of the translations of the nineteenth century, which is largely poor and lacks the necessary stability. The second step consists of translations of the twentieth century, which is reasonably stable. During the period, the Muslim translators also translated the Qur'an into European languages.

The broadest aspect of Qur'anic Studies by the Orientalist is to research and discuss on the Qur'anic teachings and concepts. Such a studies are divided into 'the descriptive and the comparative studies'. In the comparative studies, mostly the Qur'anic stories have been discussed and compared with the stories of the (old & new testaments) Bible.

As far as the goals and objectives of the Qur'anic Studies by the Orientalists are concerned, the same comments cannot be applied on all of them. The true motives of the work by some of them were of colonial nature. Some of them performed this work under the influence of missionary motives of the church. It is also said that some Orientalists performed the work on Qur'anic Studies purely under academic and research motives. During Qur'anic Studies, the Orientalists multiplied their knowledge of Archaeology, linguistics, book recognition, scripting and hermeneutics. And, the excellent methods used were positivism, repairing, literature and historical salvation.

The Study of Qur'anic Sciences in Light of the Nahjul Balagha

By: Roshan Ali

Assistant Professor, Model Colleges wing, Islamabad

The Holy Prophet (PBUH) left the world, leaving two valuable things for the guidance of His (S) followers. Amongst one is The Holy Qur'an and the other is Ahl-ul-bait (kindred). Whoever will remain associated with them will never be misled. The Qur'an is a Guiding Source that always quenches thirst of the 'The Reality Seekers' according to their capacities. Its Guidance is such a comprehensive, versatile and complete that there is no need for any other source of guidance. But we cannot get proper guidance from Qur'an until we learn the necessary Qur'anic Sciences. In this essay, it has been tried to present The Quranic Sciences in a brief and concise manner as narrated by Hazrat Ali (AS) in Nahjul Balagha. He (AS) narrates:

"The Prophet (PBUH) has left among you, namely the Book of your Creator (Al-Qur'an) clarifying its permissions and prohibitions, its obligations and discretions, its repealing injunctions and the repealed ones, its permissible matters and compulsory ones, its particulars and the general ones, its lessons and illustrations, its long and the short ones, its clear and obscure ones, detailing its abbreviations and clarifying its obscurities. In it there are some verses whose knowledge is obligatory and others whose ignorance by the people is permissible. It also contains what appears to be obligatory according to the Book but its repeal is signified by the Prophet's action (sunnah) or that which appears compulsory according to the Prophet's action but the Book allows not following it. Or there are those which are obligatory in a given time but not so after that time. Its prohibitions also differ. Some are major regarding which there exists the threat of fire (Hell), and others are minor for which there are prospects of forgiveness. There are also those of which a small portion is also acceptable (to Allah) but they are capable of being expanded".

Hazrat Imam Ali (AS) has summarized almost all areas of the Qur'anic Sciences in this sermon. The specialists of the Qur'anic Sciences have declared the teachings of the sermon as the key terms of the Quranic Sciences.

The Duty of Devotion to Aal-e-Muhammad (PBUH)

By Syed Rameez-al-Hassan

Editor Noor-e-Marfat; Research Scholar, Islamabad

The four types of verses had been befallen about the reward of The Holy Prophet (PBUH) in The Holy Quran. In one verse, the reward of The Holy Prophet (PBUH) has been negated at all. In the second verse, the reward is sought only from those, who follow the path of The Allah. The third verse, says: "whatever the reward I ask you is just for your benefit". And the fourth verse (The Verse of Devotion) says: "I do not ask you to pay, but to devote my kindred". According to the traditions, "The Verse of Devotion" had been befallen in the glory of The Kindred of prophet (S).

The combination of all these verses reveal that the reward, The Holy Prophet (PBUH) asked for does not benefit Himself (S), but the followers. And, the deed shall help Muslims to reach their destinations and to get near to The Allah. Consequently, whatever the reward He (S) required for teaching shall not benefit Him (S) but the followers. In other words, the only way to follow the Prophet (S) is the firm devotion to His (s) kindred. Because it is human nature that whom he loves, he tries to adapt his every play. In view of this natural tendency of mankind, The Almighty Allah has deputed us to make devotion with His (S) kindred. So, by adapting their character, we can reach the destinations near to Allah.

The word "kindred" has been used fifteen times in The Holy Qur'an excluding "The Verse of Devotion". And, all this means very close and near kindreds. As such, some people insist that the word "devotion" used in "The Verse of Devotion" means "Nearness to Allah". Also, this point is noteworthy that it is said in the end of the verse that "So Allah will increase reward to those, who do good deeds. No doubt, Allah is forgiving and grateful". Surely, this is the best that the humans always remain devoted with His (S) kindred and embrace their role and character. Wherever, if in doubt, they may seek the guidance from them and their essence be followed as a role-model.

The Purpose of Sending of the Prophets

By: Saqib Akbar

Chairman Albiserah, Research Scholar, Islamabad.

The Western Society has adopted the approach in practice that the human beings have to make decisions of the collective life of humanity themselves and they do not need the teachings of any prophet. Therefore, a very basic question arises: whether we need a prophet to get guidance in terms of the Hereafter or in terms of worldly and material life? The answer is: since religion (particularly Islam) concerns with both of our individual and collective lives and provides regulations in all spheres of life, so we need the guidance of prophets.

We should also note the point that The Allah has created all the humans on the same nature and the whole humanity is a single nation. But if they give-up the guidance of prophets and follow their own ways, different nations will arise with their own rules & regulations. And, naturally there will be a clash between different civilizations. In this aspect, an important purpose of the Prophet-hood is to eliminate these differences, to format a single nation and to remind the humanity of the nature's pledge. So, the humankind received a major benefit of the arrival of the prophets that they became brothers by giving-up murders, cruelties and wars and hence became a single nation.

Another most important purpose of the sending of the prophets was to preach the peoples to worship The Allah. In fact, the worship only to The Allah can be the source of the unity of mankind. Another purpose of sending of the prophets is to invite the humanity to save themselves from the punishment of the Hell Hereafter. It is also a part of the struggle of the prophets to make efforts to educate and invite the humanity to establish the rule of justice. The truth is that if there were not prophets, then the humans and the humanity were not to exist.

The Issue of Cleanliness and Uncleanliness of Disbelievers

By: Syed Muzammil Hussain Naqvi

Director Albiserah, Research Scholar, Islamabad.

An evidence on uncleanliness of the People of the Book is told as unanimity of jurisprudents. Adversely, the verdict of cleanliness of infidels is again based on unanimity. According to the essayist, the unanimity cannot be taken as an evidence of the uncleanliness of the infidels, because "unanimity" mentioned as the evidence of uncleanliness of infidels do not fulfil all the terms & condition of its authentication. In addition, if unanimity is originated in The Holy Qur'an or the Sunnah, it could not be accepted as a certificate. Now, as such the uncleanliness of the People of the Book has been proofed from The Qur'an and the Sunnah, therefore, the unanimity cannot be authentic.

In comparison, there are also some evidences mentioned about the cleanliness of The People of The Book, as The Holy Qur'an says: "This day good and pure things have been made lawful for you and the Ta'am (meal) of the People of the Book is lawful for you and your Ta'am (meal) is also lawful for them…" The reasoning may only be correct, if Ta'am means meal. But, if it means dry food, then the reasoning may not be correct. Now as some traditions mention vegetables, some beans and others wheat, so these things are just examples.

When, it was asked about eating meals of The People of The Book, Imam Sadiq (AS) said: "Don't eat." After remaining silent for a while, again said: "Don't eat." Then, remaining silent a while, again said: "Don't eat and do not give-up, saying that it is forbidden; but the reason of avoidance is that their vessels are contaminated by beer and pork of the pig." Almost all the jurisprudents confess that traditions, indicating the cleanliness of The People of the Book are too much and some of them are accurate and reliable in proving the cleanliness of the People of the Book.

سہ ماہی **نور معرفت**

ممبر شپ فارم

نام: _____ تعلیم: _____

پیشہ: _____ فون نمبر: _____

پتہ: _____

_____

E-mail: _____

براہ کرم سال _____ کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار: _____

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر _____ کی ممبر شپ برائے سال _____ کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کر دیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر: _____ تاریخ اجراء: _____ ممبر ساز: _____

نوٹ: مجلّہ کا 2015ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ: /500 روپے اور فی شمارہ: /130 روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الہدیٰ مرکز تحقیقات/نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون: 051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com